وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا ترجمان

ماہنامہ

وفاق المدارس

ملتان

جلد نمبر: ۲۳ شمارہ نمبر: ۲ صفر المظفر ۱۴۴۷ھ اگست ۲۰۲۵ء

بیاد

شمس العلماء
حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ

استاذ العلماء
حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

محدث العصر
حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

مفکر اسلام
حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ

جامع المعقول والمنقول
حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

رئیس المحدثین
حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ

استاذ المحدثین
حضرت مولانا عبد الرزاق اسکندر رحمۃ اللہ علیہ

سرپرست

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

شیخ الحدیث حضرت مولانا انوار الحق حقانی مدظلہم
سینئر نائب صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مدیر اعلیٰ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم
ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مدیر

مولانا محمد احمد حافظ

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

وفاق المدارس العربیہ پاکستان گارڈن ٹاؤن شیر شاہ روڈ ملتان

فون نمبر 061-6514525-6514526-27 فیکس نمبر 061-6539485

Email:wifaqulmadaris@gmial.com web:www.wifaqulmadaris.org

ناشر: حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری ◉ مطبع: اقراء اختر پرنٹنگ پریس پرانی غلہ منڈی بوہڑ گیٹ ملتان

شائع کردہ مرکزی دفتر وفاق المدارس العربیہ گارڈن ٹاؤن شیر شاہ روڈ ملتان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

غزہ کی گھمبیر صورت حال اور ہماری ذمہ داریاں	کلمۃ المدیر	۳
تحمّلِ امانت: مراتب اور تقاضے	حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالنپوری رحمہ اللہ	۷
امام محمد بن الحسن الشیبانی اور اسلامی اقتصادیات	مولانا بدر الحسن القاسمی (کویت)	۱۶
دوزی کی تکملۃ المعاجم العربیۃ	جناب عبد المتین منیری	۲۰
حضرت شیخ ابراہیم بن حسن الکردی رحمۃ اللہ علیہ	مولانا جنید اشفاق اٹکی	۳۱
معاہدہ ابراہیمی اور اس کے مضمرات	مولانا حبیب الرحمٰن	۴۲
توہین رسالت، انکوائری کمیشن کے قیام پر اعتراض کیوں؟	نوید مسعود ہاشمی	۴۶
لوگ غداری پر کیوں آمادہ ہوجاتے ہیں؟	محمد افغان	۵۰
مولانا سید محمود میاں کا سانحہ ارتحال	جناب اشفاق اللہ جان ڈاگیوال	۵۴
مطالعے کی میز سے	مرتب: محمد احمد حافظ	۵۷
تبصرہ کتب	محمد احمد حافظ	۶۲

سالانہ بدل اشتراک

بیرون ملک امریکہ، آسٹریلیا، جنوبی افریقہ اور یورپی ممالک ۳۰ ڈالر- سعودی عرب، انڈیا اور متحدہ امارات وغیرہ ۲۳ ڈالر- ایران، بنگلہ دیش ۲۰ ڈالر-

اندرون ملک قیمت: فی شمارہ: 40 روپے، زر سالانہ مع ڈاک خرچ: 540 روپے

كلمة المدير

غزہ کی گھمبیر صورت حال اور ہماری ذمہ داریاں

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم!

تمام تعریفیں اس ذات بے ہمتا کے لیے ہیں جو ہم سب کا پالنہار ہے۔ دُرود وسلام ہو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر، آپ کی پاکیزہ آل پر اور آپ کے جاں نثار صحابہ پر۔

گزشتہ دو سال سے غزہ پر اسرائیلی جارحیت کے نتیجے میں جو تباہی ہوئی ہے اس کو ماپنے کے تمام پیمانے جواب دے چکے ہیں۔ تباہی اور بس تباہی ہے، محصور فلسطینیوں کا قتل عام روزمرہ کا معمول بن چکا ہے۔ اسباب زندگی مفقود، قحط کا سماں ہے، معصوم بچے، خواتین اور مرد غذائی اشیاء کی قلت کا شدید شکار ہیں۔ اسپتالوں میں ادویات ختم ہیں، طبی عملہ خود اپنی صحت کے حوالے سے غیر یقینی حالات کا شکار ہو چکا ہے۔ حال ہی میں اقوامِ متحدہ کی ایجنسی ''اونروا'' نے انتباہ جاری کیا ہے کہ غزہ میں اب کوئی بھی محفوظ نہیں رہا، یہاں تک کہ نگہداشت فراہم کرنے والے خود اپنی نگہداشت کے محتاج ہو چکے ہیں۔ ڈاکٹرز، نرسیں، صحافی اور انسانی امدادی کارکن سب بھوک اور تھکن سے نڈھال ہیں۔ شدید بھوک اور انتھک مشقت کے باعث متعدد افراد دورانِ ڈیوٹی بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ ''اونروا'' کے مطابق صرف مئی کے آخر سے اب تک 1000 سے زائد افراد قحط کی وجہ سے شہید ہو چکے ہیں۔

اس مخدوش صورت حال کی گونج سلامتی کونسل میں بھی سنی گئی ہے، چناں چہ غزہ کی صورتحال پر سلامتی کونسل کے ایک حالیہ اجلاس میں مشرق وسطیٰ امن عمل کے لیے اقوام متحدہ کے خصوصی رابطہ کار ''ٹور وینز لینڈ'' نے شرکائے اجلاس کو بتایا کہ: ''غزہ کے لوگوں کو ہولناک اور مایوس کن حالات کا سامنا ہے۔ ان کی تکالیف اور خطے میں جنم لیتی شورش ختم ہوتی نظر نہیں آتی۔ جنگ میں بے گھر ہونے والوں کو خوراک، پانی، پناہ اور ادویات کی شدید قلت کا سامنا ہے۔ علاقے میں متعدی بیماریاں پھیل رہی ہیں اور نظم ونسق پوری طرح ختم ہونے کو ہے۔ غزہ میں ضرورت کے مطابق امداد نہ پہنچنے کے باعث وہاں کے مایوس لوگوں کی زندگی کو خطرہ لاحق ہے۔ ان حالات میں وہاں مزید افراتفری پھیل رہی ہے جس سے امداد کی فراہمی کی راہ میں حائل مسائل بھی بڑھ رہے ہیں۔ ان کے امدادی رابطہ کار نے لوگوں کو بنیادی ضرورت کی اشیا اور خدمات مہیا کرنے کی منصوبہ بندی کی ہے۔ لیکن اس حوالے سے اقوام متحدہ کی صلاحیت کا دارومدار امدادی ٹیموں کی مربوط نقل وحرکت، انہیں تحفظ کی یقین دہانی اور اسرائیل کی جانب سے مواصلاتی آلات اور بکتر بند گاڑیوں کے استعمال کی اجازت پر ہے۔''

غزہ میں صورت حال کی سنگینی کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ حماس کے رہنما خالد مشعل نے جے یو آئی کے امیر حضرت مولانا فضل الرحمان سے ٹیلیفونک رابطہ کرکے غزہ میں خوراک اور دواؤں کی مخدوش صورت حال سے آگاہ کیا اور غزا اور دواؤں کے لیے راستہ کھولنے پر پاکستانی حکومت سے کردار اور اثر ورسوخ استعمال کرنے کی اپیل کی ہے۔

یہ نہایت ہی افسوس ناک اور دلدوز صورت حال ہے۔ چند کلومیٹر کی پٹی میں محصور ہمارے بھائی مسلط کردہ بدترین قحط سے نبردآزما ہیں۔ان کے تین اطراف مسلم ممالک ہیں،جنہوں نے اسرائیل کے ڈر سے اپنی سرحدیں بند کر رکھی ہیں۔ان ممالک نے اسرائیل کو کھلی چھوٹ دے دی ہے کہ وہ قحط کو جنگی ہتھیار کے طور پر برتے؛ تاکہ غزہ کے باشندے یکے بعد دیگرے موت کے شکنجے میں پھنستے جائیں۔

ان حالات میں سوال یہ ہے کہ کیا ہم بحیثیت مجموعی اپنا کردار ادا کر رہے ہیں؟ یقینا جواب نفی میں آئے گا۔ مسلم حکمرانوں کی مسئلہ فلسطین سے لاتعلقی، بے حسی بلکہ اسرائیلی مفادات کو تحفظ فراہم کرنے کی پالیسی نے امت مسلمہ کے زخموں میں اضافہ کیا ہے۔عامۃ الناس ایک طرف اور حکمران طبقہ دوسری طرف ہے۔اگر حکمران طبقہ اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کر رہا تو ہمیں بیدار رہنا چاہیے، ہمارے بس میں جو ہے اس کے کر گزرنے سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔

پہلے نمبر پر ہمارے بس میں یہ ہے کہ ہم اپنے مظلوم بھائیوں کے لیے دعاؤں کا اہتمام بڑھائیں، ان کی نصرت ومدد کے لیے اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعائیں مانگیں۔

دوسرے نمبر پر ہمارے پاس سب سے بڑا ہتھیار ہمارا ”اختیار“ ہے، ہم اپنے اس اختیار کو استعمال کرتے ہوئے اسرائیل اور اس کے سرپرستوں کے معاشی بائیکاٹ کا نہ صرف حصہ بنیں بلکہ اپنے اپنے ماحول میں اس کی باقاعدہ پرزور مہم بھی چلائیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ ہماری مذہبی سیاسی جماعتوں کو بھی اس حوالے سے اپنا کردار ادا کرنا چاہیے، ان جماعتوں کی قوت اور جمعیت کو اہل اقتدار کو متوجہ کرنے کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔ہمیں آزادی ہند سے قبل چلنے والی تحریک خلافت سے سبق حاصل کرنے کی ضرورت ہے کہ کس طرح ہمارے بڑوں نے اپنی جانوں کی پروا کیے بغیر تحفظ خلافت کی زوردار مہم چلائی۔آج بھی فلسطین کے حق میں ایسی زوردار تحریک منظم کرنے کی ضرورت ہے۔یقین جانیے حماس کے سات اکتوبر کے حملوں کے بعد دو چار مسلم ممالک نے بھی اسرائیل کو آنکھیں دکھادی ہوتیں اب تک شاید اسرائیل صفحۂ ہستی سے مٹ چکا ہوتا۔

چوتھی بات یہ ہے کہ اہل غزہ کے لیے ادنیٰ سے ادنیٰ مدد بھی کوئی فرد کر سکتا ہے تو اس سے گریز نہ کرے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب نمرود کی آگ میں ڈالا گیا تو اس آگ کو بجھانے کے لیے ایک چڑیا اپنی چونچ میں پانی بھر بھر کر لاتی اور آگ پر ڈالتی۔ گو کہ اس سے آگ تو نہیں بجھ سکتی تھی لیکن چڑیا کے بس میں جو تھا اس نے کیا۔ اس کے جذبے سے یہ سبق تو حاصل کیا جا سکتا ہے کہ اپنی بساط کے مطابق کوشش لازماً کرنی چاہیے۔

الحمدللہ پاکستان میں اہل حق علماء کی سرپرستی میں ایسی تنظیمیں کام کر رہی ہیں جو اہل غزہ کی مدد کر رہی ہیں۔ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے صدر شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم کی سرپرستی میں دارالعلوم کراچی کی جانب سے یہ سلسلہ جاری وساری ہے۔ اسی طرح ناظم اعلیٰ وفاق المدارس شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم کی سرپرستی میں ''الخیر خدمت فاؤنڈیشن'' کی طرف سے بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ خیر کی یہ کوششیں بعض دیگر شخصیات کی جانب سے انفرادی طور پر بھی جاری ہیں۔ ہمارے علماء وخطباء کو اپنے بیانات وخطبات میں لوگوں کو اس طرف متوجہ کرتے رہنا چاہیے۔ ان شاءاللہ یہ کوششیں کبھی رائیگاں نہیں جائیں گی۔

بچوں کی ظالمانہ پٹائی کے دلخراش واقعات اور وفاق المدارس کا دوٹوک موقف

گزشتہ دنوں سوات کی ایک تحصیل خوازہ خیلہ کے گاؤں چلیار میں ایک استاذ کی جانب سے بچے پر بہیمانہ تشدد کے نتیجے میں معصوم بچے کی ہلاکت کا افسوس ناک واقعہ پیش آیا۔ اس واقعے کی تفصیلات نے دہلا کر رکھ دیا۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مرکزی اور صوبائی قیادت نے واقعے پر گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے اس سانحے کی سخت الفاظ میں مذمت کی، اور اپنے مشترکہ بیان میں کہا کہ یہ ایک اندوہناک اور افسوسناک واقعہ ہے، جو کسی طور بھی قابلِ قبول نہیں۔ اسلام کی تعلیمات سراسر شفقت، نرمی اور محبت پر مبنی ہیں، اور کسی بھی استاد کے لیے تشدد کا نہ کوئی اخلاقی جواز ہے اور نہ ہی کوئی شرعی بنیاد۔ وفاق المدارس کی قیادت نے واضح کیا کہ یہ مدرسہ، جس میں یہ واقعہ پیش آیا، وفاق المدارس العربیہ پاکستان سے ملحق نہیں ہے، ورنہ وفاق المدارس کی طرف سے اس کے خلاف سخت تادیبی کارروائی کی جاتی۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی قیادت نے یہ بھی واضح کیا کہ: کسی ایک فرد کی غلطی یا جرم کو بنیاد بنا کر ملک بھر کے دینی مدارس کو بدنام کرنا، میڈیا پر منفی پروپیگنڈا کرنا، اور دینی اداروں کو ہدفِ تنقید بنانا کسی طور مناسب نہیں۔ لہٰذا ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ اس افسوسناک واقعے کی آڑ میں مدارسِ دینیہ کے خلاف پروپیگنڈا بند کیا جائے، اور پوری دینی روایت کو ایک فرد کے عمل کا نشانہ نہ بنایا جائے۔ وفاق المدارس العربیہ پاکستان غم زدہ خاندان کے ساتھ دلی ہمدردی، تعزیت اور یکجہتی کا اظہار کرتا ہے۔

خوازہ خیلہ مدرسہ کے کمسن طالب علم کی سانحاتی شہادت پر شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ، حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری مدظلہم (ناظمِ اعلیٰ وفاق المدارس)، اور مولانا حسین احمد صاحب (ناظم صوبہ خیبر پختونخوا) کی خصوصی ہدایات پر ایک اعلیٰ سطحی وفد جائے حادثہ پر پہنچا۔ اس وفد میں شیخ الحدیث حضرت مولانا قاری محب اللہ صاحب (ڈویژنل وعلاقائی معاون ناظم وفاق المدارس)، مولانا محمد طاہر صاحب (رکن مجلس عاملہ وفاق المدارس) اور محترم حاجی فہیم صاحب (مسئول وفاق المدارس اپر سوات) شامل تھے۔ وفد نے شہید طالب علم کے جنازے میں شرکت کی اور اہلِ خانہ سے تعزیت کی۔ وفد نے اس موقع پر شہید بچے کے درجات کی بلندی اور پسماندگان کے لیے صبرِ جمیل کی خصوصی دعا بھی کی۔

جنازے کے بعد ناظم خیبر پختونخوا مولانا حسین احمد صاحب نے غمزدہ خاندان سے بذریعہ فون رابطہ کیا، دلی تعزیت پیش کی اور وفاق المدارس کی جانب سے ہر قسم کے تعاون کی یقین دہانی کرائی۔ وفاق المدارس العربیہ پاکستان نے واقعے کی شدید مذمت کرتے ہوئے واضح کیا کہ:

''وفاق اپنے تمام مدارس میں جسمانی سزاؤں پر مکمل پابندی عائد کر چکا ہے اور اس کی خلاف ورزی کسی صورت برداشت نہیں کی جائے گی۔''

وفد نے یہ وضاحت بھی کی کہ متعلقہ مدرسہ وفاق المدارس کے ساتھ رجسٹرڈ نہیں ہے، تاہم اس حقیقت کے باوجود مدرسے کی عمارت کو نذرِ آتش کرنا یا منہدم کرنا کسی طور مناسب نہیں۔ مدرسہ عوام الناس کی اجتماعی محنت اور صدقات وخیرات سے تعمیر ہوا ہے، اس لیے اس کی عمارت کو بچانا اور اسے اہلِ علاقہ کی تحویل میں لے کر بہتر نظم ونسق کے ساتھ تعلیمی سرگرمیوں کے لیے جاری رکھنا زیادہ مفید اور دانشمندانہ قدم ہوگا۔

معصوم بچوں کے ساتھ مار پٹائی کا عمل تو کسی بھی دور میں قابل درگزر نہیں رہا، لیکن میڈیا کے اس دور میں جبکہ ایک معمولی خبر دنیا کے ہر کونے میں پہنچ جاتی ہے؛ اس دور میں تو ایسے واقعات کی حساسیت مزید بڑھ جاتی ہے۔

مدارس مخالف طبقہ رائی کا پہاڑ بنانے میں دیر نہیں لگاتا، اس طرح کا کوئی واقعہ ہوتا ہے اور دینی مدارس کے خلاف پراپیگنڈے کا محاذ کھول دیا جاتا ہے۔ افسوس ناک امر یہ ہے کہ ایسے مواقع پر سوشل میڈیا کی چکاچوند سے متاثر ہمارے بعض جدید فضلاء بھی پراپیگنڈے کا شکار ہو کر معاندین کی ہاں میں ہاں ملانے لگتے ہیں۔ اس لیے اربابِ مدارس سے گزارش ہے کہ وہ اپنے اداروں میں اس طرح کے وقعات کی روک تھام کا اہتمام فرمائیں۔ وفاق المدارس العربیہ کی طرف سے جاری ہونے والی ہدایات کو سنجیدہ لیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی وناصر ہو، آمین!۔

تحمّلِ امانت: مراتب اور تقاضے

محدّثِ جلیل حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالنپوری نور اللہ مرقدہ
شیخ الحدیث دار العلوم دیو بند کا ایک یادگار حکیمانہ خطاب
جمع وترتیب: مفتی محمد خالد حسین نیموی قاسمی

الحمد للہ رب العالمین و الصلاۃ و السلام علی سیدنا محمد النبی الامین و علی آلہ و صحبہ اجمعین!

انسان اشرف المخلوقات ہے، اس کی اشرفیت و افضلیت کی دلیل یہ ہے کہ اس نے اس بارِ امانت کو اٹھالیا ہے؛ جس کا تذکرہ اس آیت کریمہ میں ہے:

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسٰنُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا۔

یعنی ''بے شک ہم نے اپنی امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی، تو انھوں نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اسے اٹھالیا، وہ بے شک بڑا ہی ظالم، نادان تھا''۔ (الاحزاب: ۷۲)

اس آیت کریمہ کی تشریح وتفسیر کی آپ جیسے اہل علم کے سامنے چنداں حاجت نہیں۔ اس کے چند ٹکڑے اشارتاً ذکر کرتا ہوں، جس سے ساری آیت خود بخود سمجھ میں آ جائے گی۔

امانت کیا ہے؟:

مذکورہ آیت میں ایک محوری لفظ ہے''امانت''''انا عرضنا الامانة''میں امانت کے معنیٰ تقریباً وہی ہیں جو اردو میں ہیں، اردو میں امانت کہتے ہیں حفاظت کی ذمہ داری کو، کسی بھی چیز کی حفاظت کی ذمہ داری کو امانت کہتے ہیں۔ آپ حضرات انگریزی پڑھتے ہیں؛ اس لیے انگریزی لفظ استعمال کروں کہ رسپونسی بلیٹی (Responsibility) امانت کی انگریزی تفسیر ہے۔

مشہور حدیث ہے: **لا ایمان لمن لا أمانة له**۔ جس شخص میں امانت نہیں ہے اس میں ایمان نہیں ہے۔ اس حدیث شریف میں امانت کا لفظ اسی معنیٰ میں آیا ہے۔ ایک شخص ہے، ہم نے اس سے ایک بات کہی۔ اس سے یہ کہا کہ بھائی صاحب! یہ بات کسی سے مت کہنا۔ اب یہ بات اس کے پاس امانت ہے۔ یعنی اس کی حفاظت کی ذمہ داری اس پر ہے، اب اگر وہ اس بات کو آگے بڑھاتا ہے، کسی دوسرے سے کہتا ہے؛ تو یہ امانت میں خیانت ہے،

ایک آدمی کے پاس آپ نے پیسہ رکھا، زر رکھا، سونا رکھا، چاندی رکھی، یا کوئی اور قیمتی چیز رکھی کہ میرا گھر محفوظ نہیں ہے؛ اس لیے اسے آپ رکھ لیں، میں سفر پر جا رہا ہوں؛ اسے آپ رکھ لیں، یہ امانت ہے۔ یعنی اس چیز کی حفاظت کی ذمہ داری اس شخص پر ہے۔ یہ میں نے چند چیزیں ذکر کیں؛ تاکہ آپ لفظ امانت کا مفہوم سمجھ سکیں کہ امانت کیا چیز ہے؟

کوئی چیز ہوتی ہے اس کی حفاظت کی ذمہ داری کا نام امانت ہے۔ وہ چیز کیا ہے؟ وہ آپ حضرات سمجھتے ہیں۔

اللہ جل شانہ نے پہلے انسان ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام تک انبیاء کرام کے ذریعے آسمانوں سے جو ہدایت بھیجی آسمانوں سے جو دین بھیجا ہے، یہی وہ عظیم شئے ہے؛ جس کی حفاظت کرنے کا نام امانت ہے، ظاہر ہے کہ یہ کوئی محسوس چیز تو ہے نہیں کہ مثلا یہ گھڑی رکھی ہے، اسے بکسے میں بند کر دیا۔ محفوظ جگہ رکھ دیا یا مثلاً چابی ہے؛ تو اسے جیب میں رکھ لیا تاکہ گھڑی اور چابی کی حفاظت ہو جائے، یہ تو اس طرح کی چیز نہیں ہے۔ اللہ نے جو دین بھیجا ہے وہ اپنی جگہ پر حقیقت ہے، وہ ایک ایسی چیز ہے جس کی حفاظت کی شکل یہ نہیں کہ اسے تالے میں بند کر کے جیب میں اس کی چابی رکھ لی جائے؛ بلکہ اس کی شکل کوئی اور ہے۔ یہ ایک لفظ، لفظِ امانت کی شرح ہے۔

عرض ”امانت“ کا مفہوم:

دوسرا لفظ ہے ”عرضنا“ یعنی پیش کیا ہم نے۔ پیش کرنا کیا ہے؟ کبھی مجلس میں تھالی لے کر کوئی ملازم آتا ہے؛ اس تھالی میں سونف ہے، چھالیہ ہے، لونگ، الائچی وغیرہ ہے اور سب کے سامنے گھما تا گھما تا لے چلتا ہے، جس کی خواہش ہے، اسے لے گا اور جسے خواہش نہیں وہ چپ چاپ بیٹھا رہے گا اور تھالی آگے بڑھ جائے گی۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں حضرت قاضی بیضاوی اور امام غزالی کے حوالے سے یہ بات لکھی ہے کہ پیش کرنے کا مطلب ”مخلوقات کی استعدادوں کے ساتھ موازنہ کرنا ہے“ کہ اس امانت کو اٹھانے کی استعداد و صلاحیت کس میں ہے؟ یہ جو موازنہ کیا گیا ہے اس کا خلاصہ پیش کرنا ہے۔ ایسا کوئی محسوس نہیں ہے کہ اس امانت کو رکھ کر ساری مخلوق کے سامنے لے گئے ہوں، ایسا نہیں ہے۔ یہاں مفہوم معنوی طور پر پیش کرنا ہے اور وہ ہے استعدادوں کے ساتھ موازنہ کرنا۔

تحمل امانت سے انکار:

تیسرا لفظ ہے: فابین ان یحملنہا آسمانوں اور زمین نے اور پہاڑوں نے انکار کر دیا اس امانت کو اٹھانے

سے۔ مراد یہ تین ہی مخلوقات نہیں ہیں، یہ تو انسانوں کے سامنے جو بڑی بڑی مخلوقات ہیں، ان کا تذکرہ ہے۔ علی السمٰوات والارض والجبال فرمایا آپ غور کیجئے! آپ اوپر نگاہ اٹھایئے! کہ آسمان سے بڑی طاقتور دیر پا کوئی مخلوق نہیں ہے، پیروں کی طرف دیکھیے! تو زمین سے زیادہ مضبوط اور دیر پا کوئی دوسری مخلوق نہیں ہے اور بیچ میں آسمان کے نیچے فلک بوس پہاڑ کھڑے ہوئے ہیں۔ معلوم نہیں کب سے کھڑے ہیں۔ جب سے زمین پیدا ہوئی کھڑے ہیں اور اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہو رہے ہیں؛ لہٰذا ان تین مخلوقات کی استعدادوں کے ساتھ موازنہ کرنے کا مطلب ہے تمام مخلوقات کے ساتھ موازنہ کرنا۔ کون سی مخلوقات مراد ہیں؟ تو سمجھیے کہ یہاں نورانی مخلوق یعنی وہ جو آسمانوں کے فرشتے ہیں وہ زیر بحث نہیں۔ اس سے مراد زمینی مخلوقات ہیں۔ چرند ہوں، پرند ہوں، کیڑے ہوں، مکوڑے ہوں۔ خاک کے ذرّے ہوں، شجر ہوں، حجر ہوں۔ تمام مخلوقات کے سامنے یہ امانت پیش کی گئی۔ یعنی ان کی صلاحیتوں کے ساتھ موازنہ کیا گیا؛ چنانچہ دنیا کی کسی بھی مخلوق میں اس امانت کو اٹھانے کی استعداد نہیں پائی گئی۔ یہ جو استعداد نہیں پائی گئی، یہی انکار کرنے کا مطلب ہے۔

یہ بات حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے قاضی بیضاوی اور امام غزالی کے حوالے سے لکھی ہے کہ اس آیت میں اباء کا مطلب اباءِ طبعی ہے۔ یعنی ان میں سے کسی میں یہ استعداد نہیں پائی گئی۔ اباءِ اختیاری اور اباءِ قولی مراد نہیں؛ اس لیے کہ اباء قولی اگر کوئی مخلوق کرتی ہے تو وہ انسان کرتا ہے۔ انسان کے علاوہ کوئی بھی مخلوق اباء قولی نہیں کرتی ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ اللہ کے لیے سجدہ ریز ہیں تمام چیزیں:

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَسۡجُدُ لَهٗ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِی الۡاَرۡضِ وَالشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ وَالنُّجُوۡمُ وَالۡجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَ کَثِیۡرٌ مِّنَ النَّاسِ وَ کَثِیۡرٌ حَقَّ عَلَیۡهِ الۡعَذَابُ وَمَنۡ یُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنۡ مُّکۡرِمٍ اِنَّ اللّٰهَ یَفۡعَلُ مَا یَشَآءُ (الحج:۱۸)

یعنی ”کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور تمام پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے آدمی یہ سب اللہ کو سجدہ کرتے ہیں اور بہت سے لوگ وہ (بھی) ہیں جن پر عذاب مقرر ہو چکا ہے اور جسے اللہ ذلیل کرے تو اسے کوئی عزت دینے والا نہیں، بیشک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے“۔

یہاں نجوم، شجر اور جبال کے ساتھ ”وکثیر من الناس“ ہے؛ اس لیے کہ اباء قولی صرف انسان میں پایا جاتا ہے دوسری کسی مخلوق میں یہ صفت نہیں پائی جاتی ہے۔ انسان کے علاوہ خدا کی جو مخلوق آسمان و زمین کے درمیان ہے وہ ہمہ وقت اللہ کی تسبیح میں لگی ہوئی ہے۔ لہٰذا وہ مخلوق تو ہمہ وقت اللہ کی تسبیح خواں ہے، اس سے یہ امید کرنا، ان سے یہ توقع

کرنا کہ وہ انکار کرے، یہ درست نہیں ہوسکتا۔

''ابین'' کا مطلب ہے اباء طبعی، یعنی موازنہ کرنے کے عمل سے یہ ثابت ہوا کہ کسی مخلوق میں اس امانت کو اٹھانے کی صلاحیت نہیں ہے اس کی حفاظت کرنے کی استعداد اِن میں نہیں پائی گئی۔

آیت کریمہ کا اگلا حصہ ہے ''**واشفقن منها**'' پہلے یہ سمجھیے! کہ نہ پائے جانے کے بھی کئی درجے ہیں، کسی ایک چیز کے نہ پائے جانے کی استعداد کے بھی درجے ہیں، ایک درجہ ہے صفر اور ایک ہے زیرو صفر۔ یا پوائنٹ صفر یعنی سوواں حصہ بھی نہیں ہے اور پوائنٹ صفر یعنی ہزارواں حصہ بھی نہیں ہے۔ منطق کی اصطلاح میں کہہ سکتے ہیں مطلق۔ یعنی مطلق استعداد اس میں نہیں پائی گئی، یہی ''**اشفقن منها**'' کے معنیٰ ہوئے۔

و حملها الانسان: یعنی اس بارِ امانت کو اٹھانے کی استعداد انسان میں پائی گئی یعنی یہ پیش کرنا تو بدوِ کائنات یعنی ابتدائے آفرینش میں ہے اللہ نے جب کائنات پیدا کی ہے۔تو پیش کیا ہے، انسان تو ابھی وجود میں بھی نہیں آیا تھا۔

حضرت قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے ظلوم وجہول کی تفسیر:

انه كان ظلوما جهولا: حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب رحمہ اللہ جو دارالعلوم دیوبند کے مہتمم سادس ہیں۔ حجۃ اللہ البالغہ کے درس میں اپنی طرف سے ''حکمت قاسمیہ'' کے وارث کے طور پر اضافات فرمایا کرتے تھے، ایسی باتیں عام طور پر ارشاد فرمایا کرتے تھے، جو اگرچہ حجۃ اللہ البالغہ میں نہیں ہوتیں؛ لیکن اس کے مضامین کی ان سے تکمیل ضرور ہوتی تھی۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ ''**انه كان ظلومًا جهولًا**'' میں انسان کی تعریف کی گئی ہے۔ کس طریقے پر تعریف کی گئی؟ حضرت فرماتے تھے کہ ظالم کے مبالغہ کا صیغہ ظلوم ہے۔ ظالم اسے کہیں گے جس میں انصاف کرنے کی استعداد ہو اور وہ انصاف نہ کرے؛ اس لیے دیوار کو ظالم نہیں کہیں گے؛ اس لیے کہ اس میں انصاف کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ اسی طرح جاہل اور جہول اسے کہا جائے گا، جس کی اصل شان تو یہ ہے کہ وہ علم حاصل کرے اور پھر وہ علم حاصل نہ کرے؛ بلکہ نرا جاہل اور گنوار رہ جائے، تو وہ جاہل ہے۔ اس کی ڈگری جب بڑھ جاتی ہے، تو وہ جہول بن جاتا ہے۔ دیوار کو نہ تو جاہل کہہ سکتے نہ جہول؛ اس لیے کہ اس میں مطلق علم حاصل کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔

''مگر مرد آفاقی در دو عالم نمی گنجد''

اللہ تعالیٰ نے انسان کی جو تعریف کی ہے، اس کے دو پہلو ہیں۔ ایک یہ کہ انسان علم اور عدل وانصاف کے پہلو پر

چلے گا تو اتنی دور تک پہونچ جائے گا کہ کوئی اس کی خاک کو بھی نہیں پا سکے گا، اتنی دور چلا جائے گا جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شاعر نے کہا کہ:

عیاں گر دیدہ می گنجد، نہاں در سینہ می گنجد
مگر مرد آفاقی ، در دوعالم نمی گنجد

اور اگر خدانخواستہ انسان اس کی مقابل راہ اختیار کرے، جہالت کی راہ پر چلے، ظلم کے راستے پر چلے، تو اسے بھی کوئی نہیں پکڑ سکتا۔ وہ اتنی دور جائے گا کہ جاہل نہیں، جہول ہو کر رہ جائے گا، ظالم نہیں ظلوم بن کر رہ جائے گا۔ ضدّ ین کی اس میں پوری صلاحتیں ہیں۔

تو اللہ تعالی نے ایک پہلو کو ذکر کیا اور اس کا مقابل پہلو مخاطبین کی فہم پر چھوڑ دیا کہ خود ہی سمجھنے کی کوشش کریں۔

قرآن کریم کا خاص اسلوب:

قرآن کا ایک خاص اسلوب ہے کہ وہ بہت سی جگہوں پر آدھا مسئلہ بیان کرتا ہے اور آدھا حکمت کے تحت چھوڑ دیتا ہے۔ عام طور پر اسے مخاطبین کی فہم پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ ایسا موقع محل کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

ایک مثال دیتا ہوں کہ ایک جگہ پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (آل عمران:۲۱)

ترجمہ: ''یوں عرض کرو، اے اللہ! مُلک کے مالک! تو جسے چاہتا ہے سلطنت عطا فرماتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے اور تو جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت دیتا ہے، تمام خیر تیرے ہی قبضہ قدرت میں ہے، بیشک تو ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے''۔ (آل عمران:۲۱)

اس آیت کے اخیر میں فرمایا گیا کہ تمام خیر اللہ کے قبضے میں ہے۔ سوال یہ ہے کہ شر کس کے قبضے میں ہے؟ اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ خیر و شر دونوں اللہ کے قبضہ میں ہے۔ تو پھر آدھا مسئلہ بیان کر کے آدھا کو کیوں چھوڑ دیا گیا؟ جواب یہ ہے کہ آدھے کو مخاطب کے فہم پر چھوڑ دیا گیا؛ اس لیے کہ یہ موقع اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کرنے کا ہے اور اللہ کی تعریف کے موقع پر دوسری ضد کو بیان کرنا مصلحت کے خلاف ہے۔ اسی طرح کا مسئلہ شرح عقائد نسفیہ میں آپ نے پڑھا ہے، عذاب القبر حقٌ یعنی عذاب قبر برحق ہے؛ لیکن یہ پورا مسئلہ نہیں ہے؛ بلکہ اس کے ایک حصہ کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس لیے کہ قبر میں صرف عذاب ہی نہیں؛ بلکہ نیک بندوں کو نعمت بھی بہم پہنچائی جاتی

ہے۔حضرت حکیم الاسلام قاری طیب صاحب فرماتے تھے کہ اگر اس آیت میں برائی ہے،تو ان انسانوں کی برائی ہے، جو حق کی امانت ادانہیں کرتے ؛لیکن جو مومنین حق کی امانت ادا کرتے ہیں،ان کی برائی اس میں نہیں ہے ؛ بلکہ اس میں ان کی تعریف ہے۔

یہ آیت کریمہ کے چند اجزاء تھے، جو میں نے سمجھائے۔اب آگے بڑھیے، یہ جو اٹھانا ہے کہ انسان نے اس بوجھ کو اٹھالیا، یہ منطقی اصطلاح میں کلّی مشکّک ہے، چوں کہ اٹھانا معنوی ہے اوراس کے درجے الگ الگ ہیں،جس طرح احمر،ابیض واسود کے بے شماردرجے ہیں،اسی طرح اٹھانے کے بھی بے شماردرجے ہیں۔

دوواقعات دواسباق:

دو حدیثوں کو ذہن میں لایئے کہ ایک صحابی نے غصہ اورطیش میں آکر اپنی گونگی باندی کوتھپڑ ماردیا۔جلد ہی انھیں اپنے اس عمل پر پچھتاوا ہوا، وہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔صورتحال کو بیان کیا۔حضورصلی اللہ علیہ وسلم نے اس باندی کو بلوا کر پوچھا:این اللہ؟ یعنی اللہ کہاں ہے؟اس نے اشارہ کیا کہ وہ آسمان میں ہے،آپ نے پوچھا:من أنا؟ کہ میں کون ہوں تو وہ جواب میں،انت رسول اللہ نہیں کہہ سکتی تھی ؛ بلکہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھایا پھر آپ کی طرف اشارہ کردیا۔یعنی آپ اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں۔اس حدیث پر اشکال ہوتا ہے کہ اللہ تو مکان سے منزہ ہیں اوراللہ کے رسول اس کے جواب پر فرماتے ہیں:أعْتِقْها فانها مومنۃ:تم اسے آزادکردو؛اس لیے کہ وہ مومنہ ہے۔یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ایمان کی گواہی دے رہے ہیں۔

دوسری حدیث یہ ہے کہ ایک جوان آدمی تھا جس نے اپنے اوپر ظلم اور گناہ کررکھا تھا، جب اس کی موت کا وقت آیا؛تو اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ جب میں مرجاؤں تو مجھے جلا کر آدھی راکھ کو خشکی میں اور آدھی کو سمندر میں پھینک دینا،تاکہ میں خدا کے عذاب سے بچ جاؤں؛اس لیے کہ اگر خدا کا بس چل گیا تو وہ مجھے دردناک عذاب دے گا؛اس لیے کہ میں نے بے تحاشا گناہ کیے ہیں۔وہ شخص وصیت کرکے مرگیا۔وصیت کے مطابق اس کی اولاد نے اس کے ساتھ ایسا ہی کیا؛لیکن اللہ نے خشکی اورسمندر کو حکم دیا اوراس راکھ کو جمع کرکے اس کو زندہ کردیا، پھر اللہ نے پوچھا کہ میرے بندے تو نے تدبیر کیوں کی تھی؟اس نے وہی جواب دیا کہ پروردگار عالم میں نے آپ کے خوف سے ایسا کیا کہ اگر آپ کا بس چل گیا تو آپ بڑا دردناک عذاب دیں گے۔(مشکوٰۃ ۲۰۷)اس حدیث کو ذکر کرکے حضرت شاہ ولی اللہ نے لکھا کہ اس شخص کی بخشش ہوگئی؛اس لیے کہ وہ مومن تھا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جہاں میری صفت شدیدالعذاب ہے وہیں میں غفورالرحیم بھی ہوں۔تم اس صفت کو کیوں

نہیں دیکھتے اور اللہ نے اس کی بخشش کر دی، محض اس وجہ سے کہ وہ اللہ سے اس قدر ڈرا۔

شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ یہ ایمان کیسے ہوا؟ وہ تو اللہ کو قادر مطلق نہیں مان رہا ہے؟ وہ تو مان رہا ہے کہ میری راکھ اس طرح بکھیر دی جائے گی تو خدا کا بس اس پر نہیں چلے گا اور وہ میری مٹی کو نہیں جمع کر سکے گا۔ وہ قادر مطلق نہیں مانتا تو بھی وہ مومن کیسے ہوا؟

اس کے بعد حضرت شاہ صاحب نے ایک جملہ جواب کے طور پر لکھا کہ ہر شخص سے مطلوب وہ بات ہے، جو اس کی استعداد میں ہے، ہر شخص کی جتنی استعداد ہے، اتنا ہی اس سے مطلوب ہے۔ آپ حضرات سے ہم پوچھیں کہ: این اللہ ؟ اور آپ کہیں کہ "**هو في السماء**"، وہ جواب درست نہیں ہوگا؛ اس لیے کہ آپ کی استعداد اس سے بہتر جواب کی ہے؛ لیکن اس باندی کا جواب قبول کر لیا گیا اس لیے کہ باندی گونگی تھی اس کی استعداد اتنی ہی بات کی تھی اور وہ آدمی اتنی ہی استطاعت رکھتا تھا کہ راکھ کے جمع کرنے پر خدا کو قادر نہ مانے۔ تو اللہ نے جتنی استطاعت دی، اس کے موافق اس کا جواب قبول کر لیا۔

حسناتِ ابرار، سیئاتِ مقربین:

مجھے اس سے یہ سمجھانا ہے کہ انسانوں میں جو امانت اٹھانے کی استعداد ہے، اس کا کمتر درجہ یہ ہے اور اعلیٰ درجہ وہ ہے؛ جو انبیائے کرام اور ان کے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیائے کرام اور بڑے بڑے لوگوں کو حاصل ہے، اس مقام کی تشریح مشکل ہے۔

البتہ ایک مشہور جملہ ہے: **حسنات الابرار سيئات المقربين**۔ اس جملے میں یہ سمجھایا گیا ہے کہ ابرار ایک کام کرتے ہیں تو، وہ ان کے لیے حسنہ ہے؛ لیکن وہی کام اگر مقربین کریں تو وہ حسنہ نہیں بلکہ ان کے لیے سیئہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد آپ کے ذہنوں میں ہوگا کہ: **ما عرفناک حق معرفتک** آپ کے پہچاننے کا جو حق ہے، ہم اس تک نہیں پہونچے۔ اس حق تک پہونچیں گے؛ جب اس کا خاص وقت آئے گا اور وہ وقت ہے مرنے کے بعد قبر کی زندگی یعنی عالم برزخ میں۔ یہ معرفت بڑھتی چلی جائے گی اور پھر میدان حشر میں بھی بڑھے گی پھر جنت کی ابدی زندگی میں بڑھتی چلی جائے گی، حضرت شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ جنت میں پہنچنے کے ایک لمبے عرصہ بعد جو علوم حاصل ہوں گے وہ درجہ تو ہم سمجھ بھی نہیں سکتے جس درجے میں امانت اٹھائی اسی درجہ میں حق ادا کریں!۔

اس تفصیل کے عرض کرنے کا مقصد یہ جاننا ہے کہ آپ حضرات کس درجہ میں ہیں؟، یہ جو امانت اٹھائی ہے سبھی انسانوں نے اٹھائی ہے۔ آپ نے بھی اٹھائی ہے، ہم نے بھی اٹھائی ہے۔ پوچھنا یہ ہے کہ ہم نے کس درجہ میں وہ امانت اٹھائی ہے؛ اگر ہم اس درجہ کا حق ادا کریں گے، تو سرخرو ہوں گے۔ اگر اس درجہ کا حق ادا نہیں کریں گے تو

ناکام رہیں گے، اگر ہم مقربین میں ہیں اور ابرار والے حسنات کررہے ہیں۔تو آپ کے لیے کافی نہیں۔وہ تو آپ کے لیے سیئات بن جائیں گی۔آپ مقربین میں ہیں تو مقربین والا عمل کرنا ہوگا، اس کو سمجھنا آپ کے لیے آسان ہے۔آپ جانتے ہیں کہ علم کا سب سے نچلا درجہ فرض عین ہے، جس کی تحصیل ہر انسان پر لازم ہے، یہ جو فرض عین ہے اس کے بھی درجے میں، پھر اس کے اوپر جو درجہ ہے وہ فرض کفایہ ہے اور آپ جو کچھ حاصل کررہے ہیں وہ فرض کفایہ کا اونچا درجہ ہے، پہلے جو تعلیمی صورت حال تھی اس کے مقابلہ میں صورتحال بدل گئی ہے اور اب آپ جیسے طلبہ کے لیے بھی نگرانی متعین کرنی پڑتی ہے۔

حضرت علامہ عبدالحئ فرنگی محلی کے استغراقِ علم کا واقعہ:

موتی سمندر کے اوپر نہیں ملتے۔اس کے بعد حضرت پالنپوری صاحب نے مولانا عبدالحئ فرنگی محلی کا واقعہ تفصیل سے بیان کیا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ!

حضرت مولانا عبدالحئ صاحب فرنگی محلی ایک روز کمرے میں مطالعہ کررہے تھے۔دوران مطالعہ پانی طلب کیا، ان کے والد حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب تشریف فرما تھے، ان کو فکر ہوا کہ مطالعہ کے دوران ذہن کسی اور طرف کیسے گیا، معلوم ہوتا ہے کہ یہ نہ پڑھے گا، حکم دیا کہ بجائے پانی کے انڈی کا تیل جو وہاں رکھا ہوا تھا دے دیا جائے، مولانا عبدالحئ صاحب نے گلاس منہ میں لگایا تیل پی گئے اور یہ احساس نہ ہوا کہ تیل ہے یا پانی؟ اس کے بعد پھر مطالعہ میں مشغول ہوگئے، والد کا فکر دور ہوا اور کہا کہ امید ہے کہ پڑھ لے گا، والد صاحب چونکہ بہت بڑے طبیب بھی تھے؛ اس لیے صاحبزادے کو دوا پلا کر تیل کا اثر زائل کردیا۔

اس واقعہ سے نتیجہ نکالتے ہوئے فرمایا: میرے عزیزو! آپ کا مقام یہ ہے کہ آپ ایک ماہر غوّاص بن جایئے، جو اتنی گہرائی میں چلا جائے کہ دنیا و مافیہا سے وہ بے خبر ہو جائے اسے کچھ پتہ نہیں کہ ٹائم کیا ہوا ہے، ایسے دماغ کے ساتھ کسی چیز کی گہرائی میں اترے گا تو موتی ملیں گے۔موتی سمندر کے اوپر نہیں ملتے جب تک آپ غوطہ لگا کے گہرائی میں نہیں جائیں گے، تب تک نہیں ملے گا اور جو گہرائی میں جائے گا اسے اس وقت دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہونا پڑے گا، شمع علم کے لیے پروانہ وار نثار ہونا سیکھیے!۔تو آپ کا مقام یہ ہے۔اس کو پرانے فضلا جانتے تھے۔آج صورتحال تو زمانے کے ساتھ تبدیل ہوئی وہ افسوسناک ہے؛ لیکن یہ صورتحال سو فیصد نہیں بدلی؛ بلکہ الحمدللہ آج بھی ہمارے طبقہ میں ایسے ممتاز فضلا ہیں جو اپنے مقام کو پہچانتے ہیں اور اپنے مقام کے مناسب محنتیں کرتے ہیں، آج اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے آج آپ حضرات کے لیے ان بزرگوں کی برکت سے ہمہ جہت آرام و

سکون میسر فرمایا ہے آپ کے پاس بہترین بیڈ ہیں، شاندار کھانے ہیں، اڑانے کے لیے وظیفے ہیں ایسی کوئی راحت نہیں جو آپ کو حاصل نہیں؛ لیکن آپ ان راحتوں سے مولانا فرنگی محلی کا مقام حاصل کرنا چاہیں۔ امام احمد بن حنبل کا مقام حاصل کرنا چاہیں ناممکن ہے، وہ مقام تو حاصل ہوتا ہے جد جہد سے اور علم کے پیچھے مر مٹنے سے اور اس کے پیچھے اپنی تمام توانائیاں صرف کرنے سے اور ہر چیز کی گہرائی میں اترنے سے۔

مستقبل کے اکابر:

ہماری آنکھیں تو کل بند ہو جانے والی ہیں، آنے والی دنیا کی زمام آپ کے ہاتھ میں ہے، آپ مستقبل کے اکابر ہیں۔ اس لیے میرے بھائیو! اپنا مقام پہچانو، اپنے وقت کی قدر کرو! جس مقصد کے لیے آپ یہاں آئے ہیں اس کو حاصل کیجیے، ہوش کا ناخن لیجیے، اپنی گتھیاں سلجھائیے، علم میں گیرائی اور گہرائی پیدا کیجیے! فقاہت سے حظ وافر حاصل کیجیے، اساتذہ کی قدر کیجیے، ان سے خوب استفادہ کیجیے اور منزل کی طرف رواں دواں رہیے۔ منزل دور نہیں ہے۔ منزل آپ کا انتظار کر رہی ہے کیوں؟ اس لیے کہ آپ نے امانت اٹھائی ہے اور امانت اٹھانے کا بہت اونچا مقام اور درجہ ہے، لہٰذا آپ نے جس درجہ میں امانت اٹھائی ہے اسی درجہ میں اس کا حق ادا کیجیے۔ اللہ نے آپ حضرات کو اعلیٰ درجہ کی استعدادیں دی ہیں اور آپ پر بڑی ذمہ داری عائد کی ہے۔ ہماری آنکھیں تو کل بند ہو جانے والی ہیں۔ آنے والی دنیا کی زمام آپ کے ہاتھ میں ہے، آج آپ اپنے کو تیار نہیں کریں گے؛ کل کی راہنمائی کے قابل اپنے آپ کو نہیں بنائیں گے؛ تو امت کی گاڑی کیسے چلے گی؟ دین کی محنتیں کون کرے گا؟ دین کا صحیح مفہوم جو حضور سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حاصل کیا، صحابہ سے تابعین نے حاصل کیا اور نسلاً بعد نسل و قرناً بعد قرن، امتاً بعد امم جو امانت چلی آ رہی ہے، دین کا جو صحیح فہم چلا آ رہا ہے، اسے حاصل کرنا دین میں فقاہت پیدا کرنا؛ یہی آپ کی زندگیوں کا مقصد ہے۔

میں امید کروں گا کہ آپ حضرات اپنے اس مقصد کو سمجھیں گے اپنے مقام و مرتبہ کو سمجھیں گے وقت کو ضائع کرنے سے بچیں گے۔ اللہ آپ کے علم میں برکت عطا فرمائے اور اوقات میں برکت عطا فرمائے اور اللہ آپ کو اس قابل بنائے کہ آنے والی امت کی آپ حضرات قیادت کر سکیں اور دین کی امانت جو آپ حضرات کے سپرد ہے، آپ اس کے لیے اپنی زندگیوں کو وقف کر دیں۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

امام محمد بن الحسن الشیبانی اور اسلامی اقتصادیات

مولانا بدرالحسن القاسمی (کویت)

امام اعظم ابوحنیفہ کے شاگرد امام محمد بن الحسن الشیبانی جن کے بارے میں امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ علم و فضل اور ذکاوت میں میں نے ان کا مثیل نہیں دیکھا، ان کی گفتگو سن کر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ قرآن کریم انہیں کی زبان میں نازل ہوا ہے۔

امام محمدؒ نے صرف فقہ حنفی کی تدوین نہیں کی بلکہ تمام فقہی مذاھب کی تدوین کی راہ کھول دی۔ سب نے پھر انہیں کے طریقہ کو اپنایا۔ امام محمد کا ایک بڑا کارنامہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے بین الاقوامی قوانین کی تدوین کی۔ ان کی کتاب ''السیر الکبیر'' کو اس سلسلہ میں سبقت حاصل ہے جس کا اعتراف غیر مسلم محققین بھی کرتے ہیں۔ جرمنی میں ''**جمعية الشيباني**'' کے نام سے انجمن قائم ہے جو اس بات کے اعتراف کے لیے قائم کی گئی ہے کہ بین الاقوامی قوانین کا موجد کوئی انگریز یا جرمن نہیں امام محمد بن الحسن الشیبانی ہیں۔ ''السیر الکبیر'' کا ترجمہ ترکی، فرنچ اور جرمن زبان میں صدیوں سے موجود ہے اور اس سے وہاں کے قانون دانوں اور دیگر ارباب فکر نے استفادہ کیا ہے۔ امام محمد بن الحسن الشیبانی کا ایک اہم کام اور بڑا کارنامہ ''اسلامی اقتصادیات'' کے فن کی ایجاد اور اس کے اصول وضوابط کی تدوین بھی ہے۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ انہوں نے ''علم اقتصاد'' کا جو تصور پیش کیا ہے موجودہ زمانہ کے ماہرین اقتصادیات اس پر اب تک کوئی خاص اضافہ نہیں کر سکے۔

امام محمد کی کتاب ''**الكسب**'' یا ''**الاكتساب بما يحل من الاسباب**'' کو اسلامی اقتصادیات کے فن کی ایجاد کی طرف پہلا قدم کہا جا سکتا ہے۔ چنانچہ جامعہ ازھر اور جامعہ الامام محمد ابن سعود کے سابق پروفیسر ڈاکٹر شوقی احمد دنیا نے ''**اعلام الاقتصاد الاسلامي**'' کے نشریاتی سلسلہ کا آغاز امام محمد بن الحسن الشیبانی سے ہی کیا تھا۔ امام محمدؒ کے نظریات کا حاصل یہ ہے کہ: ''اکتساب'' یعنی محنت کر کے روزی کمانا اور اپنی جدوجہد سے وسائل زندگی حاصل کرنے کی کوشش کرنا انسانی زندگی کی ضرورت اور عالم کی بقاء اور تہذیب وتمدن کے فروغ کا وسیلہ ہے۔ امام محمد کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق اس طرح کی ہے کہ اس کے جسم کی بقا کیلئے چار چیزیں: کھانا پینا اور ستر چھپانے سردی وگرمی اور بارش سے بچنے اور رہنے کیلئے مکان بنانا اس کی بنیادی ضرورتوں میں سے ہے اور ان ضروریات کے حصول کے اسباب ساری دنیا کے لوگ اپناتے اور اس کے لئے جد وجہد کرتے ہیں۔ امام محمدؒ کا کہنا ہے کہ:

الاکتساب ھو طلب تحصیل المال بما یحل من الأسباب اسلامی نقطہ نظر سے ”اکتساب مال کے حصول کے لیے جائز اسباب کے اختیار کرنے کا نام ہے“۔

اس تعریف سے ہی اسلامی اور غیر اسلامی اقتصادیات کا فرق واضح ہوجاتا ہے کہ تمام ماہرین اقتصادیات کی نظر ایسے معاملات پر ہوتی ہے جن میں نفع زیادہ ہو لیکن اسلامی اقتصادیات میں صرف وہی طریقے اور معاملے اختیار کئے جاسکتے ہیں جو شرعاً جائز اور حلال ہوں، حرام اور ناجائز معاملات کی اس میں ہرگز گنجائش نہیں ہے، خواہ اس میں کتنا ہی فائدہ کیوں نہ ہو۔ دوسرے اقتصادی نظاموں میں نظر طلب کے مطابق پیداوار یا مصنوعات میں اضافہ اور کوالیٹی میں تنوع پر ہوتی ہے۔ ان کو حلال و حرام سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، لوگوں کی خواہش پوری کرنے کیلئے جو سامان بھی درکار ہو وہ فراہم کرنا اور زیادہ نفع کمانا ان کا نصب العین ہوتا ہے۔ امام محمد کی ذکر کردہ اس قید نے عمومی اقتصادی سرگرمیوں پر پابندی لگائی ہے کہ مال کے حصول کیلئے صرف وہی اسباب اختیار کیے جاسکتے ہیں جو حلال اور مشروع ہوں حرام اور ممنوع نہ ہوں۔ حرام وسائل کے ذریعہ مال کمانا یا تجارت کو فروغ دینا اسلامی اقتصادیات کے منافی ہے۔ شراب خانے کھولنا یا قمار بازی کے اڈے قائم کرنا یا اور دیگر حرام چیزوں کی فراہمی اور تبادلے کیلئے کمپنیاں قائم کرنا جائز نہیں ہوگا۔ مسلمانوں کے دائرہ کار اور مسلمان ملکوں میں اس طرح کی تجارتی سرگرمیوں پر مکمل پابندی ہونی چاہیے۔ امام محمد کی اس کتاب کا مقصد مال کمانے، جمع کرنے اور خرچ کرنے ”**الاموال في الاسلام کسباً و ادخاراً و انفاقاً**“ کے ایسے قواعد وضوابط کی نشاندہی کرنی ہے جو مسلمانوں کی اقتصادی سرگرمیوں کیلئے راہ عمل کی حیثیت رکھیں۔ امام محمد نے اقتصادی سرگرمیوں یا مال کے حصول کے ذرائع کو چار قسموں میں منحصر قرار دیا ہے:

1: اجارہ، یعنی مزدوری اور ملازمت کرنا، اسی طرح مکان دکان اور سواری کے وسائل وغیرہ کو کرایہ پر لگانا۔

2: تجارت، خرید وفروخت کے تمام جائز طریقے زمانہ کے بدلنے اور ترقی کرنے کے ساتھ اسکی نئی اور مختلف شکلیں.

3: زراعت، قدیم زمانہ سے غلہ یعنی جو گیہوں چاول کے ساتھ سالن کے طور پر استعمال ہونے والی سبزیاں اور پھل فروٹ سب کے حصول کیلئے زراعت یا کاشت ہی سب سے اہم وسیلہ ہے۔

4: صناعت، یا انڈسٹری کا شمار بھی حصول مال کے بنیادی اسباب و ذرائع میں شمار ہوتا ہے۔ ذاتی استعمال کی چیزوں سے لیکر جنگی اسلحہ تک کی تیاری کار اور سواری کے دیگر وسائل گھریلو استعمال کے برتن مختلف قسم کی مشینیں سب صناعت کے زمرہ میں آتی ہیں۔

امام محمد رحمہ اللہ نے اب سے بارہ سو سال پہلے کسب مال کے جو ذرائع بتلائے ہیں آج تک اقتصادیات کے ماہرین اس پر کوئی مفید اضافہ نہ کر سکے، جس سے امام محمد کی غیر معمولی عبقریت شرعی احکام میں بصیرت اور انسانی زندگی کی ضروریات سے ان کی واقفیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ کسب معاش کے موضوع پر متعدد علماء نے کتابیں لکھی ہیں لیکن امام محمد کو ان سبھوں پر فوقیت اور سبقت حاصل ہے اور ان کی کتاب سب سے پہلی ہونے کے ساتھ سب سے جامع اور ہر پہلو پر حاوی اور مجتہدانہ خصوصیات کی حامل ہے۔ اور جیسا کہ پہلے میں نے ذکر کیا ڈاکٹر شوقی احمد دنیا جو جامعہ ازہر اور محمد بن سعود یونیورسٹی میں تجارت و اقتصاد کے سابق پروفیسر تھے انہوں نے ''اعلام الاقتصاد الاسلامي'' کا سلسلہ شروع کیا تو اس سیریل کا آغاز امام محمد بن الحسن الشیبانی کی شخصیت سے ہی کیا۔ اسی طرح ڈاکٹر حمد الجنیدل نے اپنی کتاب ''**مناهج الباحثين في الاقتصاد الاسلامي**'' میں امام محمد بن الحسن اور ان کی کتاب ''الکسب'' یا ''الاکتساب'' کا تفصیلی تعارف کرایا ہے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر رفعت العوضي جامعہ ازھر، جامعہ ام القریٰ اور جامعہ قطر کے پروفیسر رہے، موسوعہ اقتصاد اسلامی کے مرتب رہے اور جن کا ابھی دو دن پہلے 13 جولائی کو انتقال ہوا ہے، انہوں نے 1403ھ میں قطر سے شائع ہونے والے ''مجلہ الامۃ'' میں تفصیلی مضمون لکھا تھا جس میں موجودہ زمانہ کے ماہرین اقتصادیات کے نظریات کی روشنی میں امام محمدؒ کی کتاب کا جائزہ لیا اور ثابت کیا ہے کہ امام محمد کے بیان کردہ اصول موجودہ زمانہ کے نظریات سے نہ صرف ہم آہنگ ہیں بلکہ ان سے فائق ہیں اور ان کی کتاب کو اس موضوع کی پہلی کتاب ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس لیے کہہ سکتے ہیں کہ امام محمد اسلامی اقتصادیات کے فن کے موجد ہیں اور انہوں نے کتاب وسنت کی روشنی میں سب سے پہلے اس کے اُصول وضوابط کو مرتب انداز سے پیش کیا ہے۔ انہوں نے ایک بلند پایہ فقیہ ومجتہد ہونے کی حیثیت سے اقتصادی سرگرمیوں کے شرعی احکام بھی بیان کئے ہیں اور ان امور کو بھی واضح کیا ہے کہ معاشی سرگرمی میں آدمی کو کس حد تک لگنا چاہیے؟ جس سے یکسوئی کے ساتھ عبادت میں خلل بھی واقع نہ ہو اور تونگر ہو کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا افضل ہے یا مسکینی وفاقہ مستی میں رہ کر صبر کا دامن تھامے رہنا بہتر ہے؟ اور سوال کرنا کب جائز ہے اور دینے والا بہتر ہے یا لینے والا؟ امام محمد کی یہ کتاب پہلے ''الکسب'' کے نام سے شائع ہوئی تھی اور اب ''**الاكتساب في الرزق المستطاب**'' کے نام سے تحقیق کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ شمس الائمہ سرخسی کی شرح کے ساتھ ہی کتاب کا نسخہ ملتا ہے۔ اصل متن کی تلاش کیلئے ترکی اور یورپ کے مکتبات میں بکھرے ہوئے مخطوطات کے ذخائر کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ امام محمدؒ نے اقتصادیات کی یہ کتاب کیوں لکھی؟ امام سرخسی کا بیان ہے کہ:

ان الامام محمد صنف هذا الكتاب في الزهد علي ما حكي انه لما فرغ من تصنيف الكتب قيل له

:الا صنفت في الزهد اي الورع شيئا؟فقال صنفت كتاب البيوع يريد ان المرأ اذا طاب مكسبه حسن عمله ثم أخذ في تصنيف هذا الكتاب۔

یعنی دیگر کتابوں کی تصنیف سے فراغت کے بعد جب ان سے کسی نے سوال کیا کہ آپ نے زُہد وتقویٰ کے موضوع پر کوئی کتاب نہیں لکھی تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے ''کتاب البیوع'' اسی لئے لکھی ہے کیوں کہ آدمی کی آمدنی حلال ہوگی اور اس کا کھانا پاکیزہ ہوگا تو اس کا عمل بھی صالح ہوگا اور اصل تقویٰ یہی ہے۔ بعد میں انکی صحت سازگار نہیں رہی اور کتاب کی تکمیل نہ کر سکے جو وہ لکھنا چاہتے تھے صرف اس کے خاکے میں ایک ہزار ابواب کی نشاندہی کی گئی تھی ویحکي انه قيل له :فهرس لنا ما كنت تريد ان تصنفه ففهرس له الف باب في الزهد والورع

دراصل امام محمد کو شروع سے تجارتی امور کو جاننے اور پیشہ وروں کے معاملات کو جاننے اور دیکھنے کا خاص اہتمام تھا، تا کہ ان کے بارے میں شرعی حکم پوری بصیرت کے ساتھ متعین کر سکیں۔ ''مناقب الکردری'' میں ہے:

رأيت محمد بن الحسن يذهب الي الصباغين ويسأل عن معاملاتهم و مايديرونها فيما بينهم

علامہ زاہد الکوثری اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

انظر الي هذا المجتهد العظيم كيف كان لايكتفي بما عنده من علم الكتاب والسنة واقوال الصحابة والتابعين وسائر فقهاء الأمصار وبما له من الفقه في العلوم العربية حتي كان في حاجة الي تعرف وجوه التعامل بين ارباب الصناعات ومعرفة وجوه الفرق بين العرف القديم والعرف الحديث الطارئ حتي يسلم كلامه من الخطأ في اي ناحية من نواحي تبيين احكام الشرع هكذا يكون بذل الجهد واجتهاد الرأئ. (بلوغ الأماني)

اور حقیقت یہی ہے کہ فقہی مسائل کی تحقیق وتنقیح کرنے والوں اور نئے مسائل کے شرعی احکام کا استخراج واستنباط کی ذمہ داری ادا کرنے والوں کو امام محمد کے اس اسوہ پر عمل کرنا چاہیے تا کہ ان کی طرح مختلف پیشہ کے لوگوں سے مل کر اور ان کے تعامل کو دیکھ کر مسئلہ کی حقیقت کو صحیح طریقہ پر سمجھ سکیں اور جدید عرف سے آگاہی حاصل کرنے کے بعد مسئلہ کا حکم بیان کر سکیں، اس لیے کہ قاعدہ یہی ہے کہ ''الحكم على الشئ فرع لتصوره'' واللہ ولی التوفیق۔

مقالات ومضامین

دوزی کی تکملۃ المعاجم العربیۃ

جناب عبدالمتین منیری

ہمارے نظام تعلیم میں ایک ماحول بن گیا ہے کہ جن سے ہمارا اختلاف ہوتا ہے یا جنہیں ہم ناپسند کرتے ہیں، اپنے وابستگان کے دلوں میں یک طرفہ نفرت بٹھا دیتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو چیزیں ہمیں اپنے مخالفین سے سیکھنی ہوتی ہیں، اور جو سبق ان سے ہمیں لینا ہوتا ہے وہ ہم نہیں لے پاتے۔

اللہ تعالیٰ کا ایک نظام ہے، جو محنت کرتا ہے اللہ تعالی اس کی محنت کا صلہ اسے ضرور دیتا ہے، یہ جو مسلم مخالف قوتیں دنیا بھر میں عروج پارہی ہیں، اور ترقی کررہی ہیں، اس کا راز ان کی انتھک جدو جہد اور کوششوں اور طریقہ کار میں پنہاں ہے۔

ہمارے یہاں مستشرقین کے بارے میں عموما دلوں میں نفرت بٹھائی جاتی ہے، یہ نفرت بٹھانے والے عموماً وہ ہوتے جن کا میدان تحقیق وتصنیف مستشرقین کے میدان سے عموماً مختلف ہوتا ہے، مستشرقین کی ایک بڑی تعداد نے اپنا مشن لغت نویسی، مخطوطات کی حفاظت اور ان کی تحقیق واشاعت کو بھی بنایا تھا، ان میدانوں میں ان کی انتھک کوششوں اور قربانیوں سے ہمارے طلبہ وفارغین ناواقف ہیں۔

یہ درست ہے کہ زوالِ اندلس کے بعد مغربی سامراج کے دورعروج سے مغرب کو استشر اق کے میدان میں کام کی ضرورت پیش آئی، اورانہوں نے اپنی سلطنتوں کو مستحکم کرنے اور غلام اقوام کی تہذیب وثقافت اور ان کی نفسیات کو سمجھنے کے لئے استشر اق کے شعبہ کو اپنی وزارت خارجہ کے ماتحت قائم کیا، اور اس پر بے دریغ پیسہ بہایا، اور یہ کہ ابتدا میں اس میدان میں کام کرنے والوں پر متعصب عیسائی مشنریز کا غلبہ رہا، لیکن مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اور عربی کتابوں اور مخطوطات میں رَچ بس جانے کے بعد ان میں سے بہتوں کو عربی زبان وتہذیب سے جو مسلمانوں کی تہذیب تھی بے پناہ محبت بھی پیدا ہوئی، اور ان میں عربی زبان سے محبت رکھنے والے، اس کی باریکیوں کے ایسے شناور پیدا ہوئے جنہوں نے اپنی زندگیاں اس کے لئے صرف کیں۔ ان میں بہت سے فراموش شدہ قلمی کتابوں کی تحقیق کر کے انہیں نئی زندگیاں دینے والے بے شمار محققین پیدا ہوئے، جب کہ مشرق میں فن طباعت انگلیوں کے بل چل رہا تھا۔

ان میں سے بعضوں کی عربی زبان وادب وتاریخ کے میدان میں محنت اور قربانی کو جان کر ہمارے اسلاف کی

قربانیوں کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔اورحسرت بھی ہوتی ہیں، کہ اگراللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان کی دولت سے نوازا ہوتا تو یہ علمی میدانوں میں کیا کچھ دین اسلام کی خدمت نہ کرگزرتے۔اسلامی معاشرے میں نہ رچنے بسنے اور علمائے دین سے علم دین اورعربی زبان پرمہارت حاصل نہ کرنے کی وجہ سے ان میں سے بہتوں نے اسلام و عربی لٹریچر کوسمجھنے میں بڑی ٹھوکریں لگیں،اورانہوں نے اپنے مغربی ماحول اورمعاشرت کے اثر میں غیرارادی طور پراسلام سے وابستہ امورکودرست طور پرسمجھنے میں جگہ جگہ غلطیاں کیں۔لہٰذا ہم ان میں سے بہتوں کی غلط بیانی کو ہمیشہ نیت کے فتور پرمحمول نہیں کرسکتے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ وہ بہت سارے مستشرقین جن کی عبارتیں ہم اسلام اورحضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں نقل کرتے ہیں، انہی مستشرقین کی کتابوں میں دوسری جگہ اسلام اورحضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں ایسی ایسی ہفوات دیکھتے ہیں کہ سرپیٹنے کو جی چاہتا ہے۔

آیئے آج یہاں ہم مستشرقین کے اہم علمی کاموں میں ایک کا تذکرہ کرتے ہیں۔جس کے لئے ہم نے مستشرق ڈوزی کی موسوعی لغت **تکملة المعاجم العربية** کومنتخب کیا ہے۔

کتاب کا نام:تکملة المعاجم العربية

مصنف:رینہاٹ دوزی

مترجم:الدکتورمحمدسلیم النعیمی وجمال الخیاط

ناشر:دار الرشيد للنشر، وزارة الثقافة والاعلام

ایڈیشن: 8019۔جلدیں: 10

عربی زبان کی یہ لغت فرانسیسی زبان میں لکھی گئی تھی،اوراس کا اصل نام ہے:

SUPPLEMENT AUX DICTIONNAIRES ARABES

یہ کتاب آج سے ڈیڑھ سوسال قبل 1880ء میں دوجلدوں میں شائع ہوئی تھی،اس کی پہلی جلد بڑے سائز کے (907)صفحات اوردوسری جلد(828)صفحات پرمشتمل ہے۔

کتاب کے نام سے اشتباہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب عربی زبان کی جملہ معاجم کودیکھ کرتیارکی گئی ہے۔اوراس میں وہ الفاظ بیان ہوئے ہیں جودوسری عربی زبان کی معاجم میں پائے نہیں جاتے۔

شاید آپ کوتعجب ہوکہ اس لغت کا یہ موضوع نہیں ہے،اوریہ مصنف کے لئے ممکن بھی نہیں تھا کیونکہ مصنف کولسان العرب اورتاج العروس جیسی عظیم کتب لغت مطبوعہ شکل میں دیکھنا نصیب نہیں ہوا۔

بولاق سے علامہ مرتضی الزبیدی کی تاج العروس من جواہر القاموس کی اشاعت سنہ 1888ء میں شروع ہوئی، ابن منظور افریقی کی لسان العرب کی اشاعت 1300ھ/ 1882 میں شروع ہوئی، اور اس کے چھپتے چھپتے آٹھ دس سال لگ گئے۔

آپ مصنف کی محنت کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتے، کہ عالم عرب واسلام میں مطبوعہ کتابوں کے اس کال میں بھی، انہوں سے یورپ کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ اندازا (375) کتابوں کا حرف حرف مطالعہ کرا اپنی اس ضخیم کتاب کے لئے مواد جمع کیا، وہ ایک سو (100) کتابیں الگ ہیں جن کا مصنف نے حرف بہ حرف پڑھا، لیکن اپنی کتاب کے موضوع کے لحاظ سے اسے ایک لفظ نہیں ملا۔ مصنف نے ان کتابوں کی پوری تفصیل اپنی کتاب میں دی ہے۔

مصنف نے اپنی کتاب کے لئے سیاحوں کے ادب وتاریخ، سفرنامے، جغرافیہ وغیرہ جملہ غیر مذہبی علوم کی کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اپنی کتاب کے لئے عربی معاجم ولغت میں اسے بطرس البستانی کی **محیط المحیط** (ط 1867) بلاذری کی فتوح البلدان (لائیڈن 1866ء)، ابن العذاری المراکشی کی **معجم الألفاظ الملحقة بكتاب البيان المغرب في أخبار المغرب لابن العذاري المراكشي** (ط لائیڈن 1848ء)۔ جینول کی **معجم التنبيه للامام او اسحاق الشيرازی**، (لیڈن 1879ء)، امام نووی کی **تهذيب الاسماء والصفات** (ط وستنفیلڈ۔ گوٹا 1842ء)، یاقوت الحموی کی **معجم البلدان** (وسٹنفیلڈ۔ لیپزگ 1868) یعقوبی کی کتاب البلدان (ط لائیڈن 1860ء) جیسی چند ایک معاجم ہی ہیں، باقی عربی زبان وادب کی دوسری کتابیں اور مستشرقین کی تیار کردہ کتب لغت ہیں۔

اس کتاب کا عربی ترجمہ دس جلدوں میں عراق کی وازرة ثقافة والاعلام نے دار الرشید بغداد سے 1980ء میں شائع کیا تھا، اس کی ابتدائی آٹھ جلدوں کے مترجم استاد محمد سلیم النعیمی ہیں اور بقیہ دو کے استاد جمال الخیاط ہیں۔

عربی کتابوں کے شائقین کی یہ بڑی بدقسمتی رہی کہ البعث پارٹی کے دور حکومت میں عراق سے شائع شدہ کتابیں شاذ ونادر ہی دوسرے ملکوں میں دستیاب ہوتی تھیں، حالانکہ عراقی محققین کا مقام محنت، معیار اور باریک بینی میں عالم عرب کے دوسرے محققین سے زیادہ بلند سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اس زمانے میں عراق سے کتابوں کا نکلنا جوئے شیر لانے کے برابر سمجھا جاتا تھا۔

اسے ایک واقعہ سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ مایہ ناز عراقی محقق وماہر لغت ڈاکٹر محمد حاتم الضامن مرحوم مرکز جمعة الماجد میں ہمارے ڈائرکٹر تھے، وہ ہم لوگوں سے بڑی محبت کرتے تھے۔ ہم نے ایک بار ان سے بغداد سے شائع ہونے والے علمی مجلہ "المورد" کا ذکر کیا، کیونکہ اس مجلہ سے مراجعت کی ضرورت ہمیں اپنے علمی کام میں بار بار پڑتی رہتی

تھی۔اور ہم نے ان سے اس کی فائل کوخریدنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔تو انہوں نے فرمایا کہ بغداد میں ان کی ذاتی لائبریری میں اس کی مکمل فائل موجود ہے،تو ہم نے ان سے کہا کہ یہ فائل دبئی میں کیوں نہیں لاتے ،تو ہنستے ہوئے فرمایا کہ کیا مروانا چاہتے ہو؟۔ایسی نادر چیزیں ملک سے باہر لے جانے والوں کوصدام حکومت مار ڈالتی ہے۔

تکملة المعاجم العربیه بغداد سے شائع تو آج سے پینتالیس سال قبل ہوئی تھی،لیکن اس کا فوٹو آفسٹ ایڈیشن کوئی بیس سال قبل ہم لوگوں کو دستیاب ہو سکا۔اس معجم کا اصل فرانسیسی نسخہ بھی 1969ء میں مکتبہ لبنان سے شائع ہونے کے بعد عالم عرب کے مخصوص علمی حلقوں میں یہ کتاب متعارف ہوئی تھی۔

فاضل مترجم سلیم النعیمی نے کتاب کے عربی نام کے سلسلے میں لکھا ہے کہ اس کے فرانسیسی نام کے عربی میں مختلف ترجمے ہوتے ہیں،جن میں:الملحق بالمعاجم العربیۃ،ملحق بالمعاجم العربیۃ،ملحق المعاجم العربیۃ،ذیل المعاجم العربیۃ، ملحق وتکملۃ القوامیس العربیۃ،اور تکملۃ المعاجم العربیۃ وغیرہ شامل ہیں۔لیکن ہم نے اس آخری نام کی شہرت اور مکتبہ لبنان کے ایڈیشن میں یہ نام ہونے کی وجہ سے اسے اختیار کرنا مناسب سمجھا ہے۔

آیئے ان چند تمہیدی باتوں کے بعد مصنف کے حالات زندگی اور کتاب کے تعارف کی طرف جاتے ہیں۔

حالات زندگی:

مصنف کا نام رینہارٹ پیٹر آن دوزی (Reinhart Pieter Anne Dozy) ہے، جو ایک ڈچ مستشرق (مشرقیات کے ماہر) تھا۔وہ ایک فرانسیسی النسل پروٹسٹنٹ خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔اس کے آباو اجداد کا فرانسیسی نام ''آل دوزی''(ozy) تھا، جو سترھویں صدی کے وسط میں مذہبی جبر سے بچنے کے لیے فرانس سے ہالینڈ منتقل ہو گئے تھے۔فرانس کی اضافی علامت d کو ہالینڈ میں رہائش کے بعد نام میں شامل کر کے Dozy''بنا دیا گیا۔اس کا خاندان مشرقی علوم سے محبت رکھنے والا تھا،اور اس کا رشتہ آل شولتنز خاندان سے تھا،جس نے کئی علما پیدا کیے۔

رینہارٹ دوزی 1820ء(1235ھ) میں لائیڈن (ہالینڈ کا ایک شہر) میں پیدا ہوا۔اس نے ابتدائی عربی گھر پر سیکھی، پھر یونیورسٹی آف لائیڈن میں باقاعدہ تعلیم حاصل کی۔اس کے استاد''فایرس'' نے اسے عربی زبان کی گہرائی میں جانے اور اس کے نادر الفاظ سیکھنے کی طرف راغب کیا، تاکہ وہ جاہلی دور کی شاعری کو بہتر طور پر سمجھ سکے۔چنانچہ اس نے عربی ادب و تاریخ کی کئی کتب کا مطالعہ کیا، اور طلبِ علم کے زمانے اور بعد میں بھی ذہانت، سنجیدگی اور محنت کے لیے مشہور رہا۔

یونیورسٹی آف لائیڈن نے عربوں کے ملبوسات پر ایک مقالہ لکھنے کے لیے مستشرقین سے درخواست کی اور اس کے لیے انعام مقرر کیا۔ دوزی نے بطور طالب علم (جب اس کی عمر بائیس سال سے زیادہ نہ تھی) اس میں حصہ لیا اور انعام حاصل کیا۔ اس کامیابی نے اسے آسیائی مجلہ (Asian Journal) میں لکھنے پر آمادہ کیا، چنانچہ اس نے عربی مصادر سے ''بنوزیان ملوکِ تلمسان'' کی تاریخ ترجمہ وتشریح کے ساتھ شائع کی۔

دوزی نے 1845ء میں ایک ڈچ خاتون سے شادی کی، اور جرمنی میں ہنی مون کے لیے گیا۔ مگر اس نے یہ وقت جرمن کتب خانوں میں گزارا۔ وہاں اسے ابن بسام کی ''الذخیرۃ'' کی تیسری جلد ملی، جو فہرست میں المقرّی کی طرف منسوب تھی۔ وہ اجازت لے کر اسے لائیڈن لے آیا۔ جرمنی میں اس کی ملاقات معروف مستشرق ومشرقی علوم کے پروفیسر ''ہنریخ فلیشر'' (1801-1888) سے ہوئی، جو بعد میں اس کا قریبی دوست رہا۔

دوزی 1845 میں انگلینڈ چلا گیا، جہاں اس نے آکسفورڈ لائبریری سے ''الذخیرہ'' کا دوسرا حصہ اور کئی قیمتی عربی مخطوطات نقل کیے۔ وہاں اس نے کئی مستشرقین سے ملاقاتیں کیں۔ ہالینڈ واپس آنے پر اسے لائیڈن کی اورینٹل لائبریری کے مخطوطات کی انتظامی ذمہ داری سونپی گئی، جہاں اس نے دو فہرستیں تیار کیں۔

1850 میں اسے لائیڈن یونیورسٹی میں عربی زبان کا پروفیسر مقرر کیا گیا، اور یہ عہدہ اس نے 1878 تک سنبھالا، جس کے دوران اس نے یونیورسٹی کی بڑی تشہیر کی۔ 1878 کی انقلاب کے بعد اسے عمومی تاریخ پڑھانے کا کام سونپا گیا، جس پر مستشرقین کو افسوس ہوا۔ دوزی سامی زبانوں کا ماہر تھا، یونانی جانتا تھا، اور لاطینی، ڈچ، فرانسیسی، جرمن زبانوں میں لکھتا تھا، نیز پرتگالی اور ہسپانوی سے واقف تھا۔ وہ عربی میں ''رنجرت دوزی'' کے نام سے دستخط کرتا تھا۔ وہ 1883 (1300 ہجری) میں فوت ہوا۔

دوزی کو وسیع شہرت ملی اور اسے متعدد اعزازات سے نوازا گیا، جیسے ایمسٹرڈم کی رائل اکیڈمی آف سائنسز، کوپن ہیگن اکیڈمی، اور پیرس کی ایشیائی سوسائٹی کا رکن بنایا گیا۔ مستشرقین کے نزدیک وہ اندلس کے مطالعات کا بانی تھا، اور اس کی تصانیف اندلس کی تاریخ، تہذیب، اور ثقافت کے لیے مرجع سمجھی جاتی ہیں، اگرچہ بعد کے محققین نے اس کی تحقیقات میں کچھ کمیاں نکالیں۔

تصانیف:

1۔ **تاریخ بنی زیان (تلمسان کے بادشاہ):** عربی مصادر سے نقل، حواشی اور تعلیقات کے ساتھ، 1844 میں ''جرنل ایشیاٹک'' میں شائع ہوا۔

2۔ **عربی لباسوں کے ناموں پر لغت:** 446 صفحات، 1845 میں ایمسٹرڈم میں چھپی۔

3۔ **ابن عبدون کے قصیدہ کی شرح (ابن بدرون کی تالیف):** تحقیق اور انڈیکس کے ساتھ، 1846 میں لائیڈن میں شائع ہوئی، اس کے منتخبات 1847 اور 1883 میں چھپے۔

4۔ **بنی عباد کی حکومت پر عربی کتابیں:** پہلے نامعلوم، اس نے "الذخیرۃ" (ابن بسام) کی مدد سے تیار کی، 1847-1863 میں لائیڈن میں تین جلدوں میں شائع ہوئی۔

5۔ **کچھ عربی مخطوطات پر تبصرے:** 260 صفحات، 1847-1850 میں لائیڈن میں چھپے۔

6۔ **لائیڈن یونیورسٹی لائبریری کے مشرقی مخطوطات کی فہرست:** 1851 میں لائیڈن میں شائع ہوئی۔

7۔ **المعجب فی تلخیص اخبار المغرب (عبدالواحد المراکشی):** موحدین کی تاریخ، 1874 میں لائیڈن میں انگریزی مقدمے کے ساتھ شائع ہوئی، 1881 میں دوبارہ چھپی۔ فرانسیسی ترجمہ 1893 میں الجزائر میں شائع ہوا۔

8۔ **کچھ عربی نام،** ایشیائی جریدے میں 1847ء میں شائع ہوئے۔

9۔ **قشتالہ کا ادب اور امیر الامراء،** 1848ء میں لائیڈن میں چھپا۔

10۔ **البیان المغرب فی اخبار المغرب از ابن عذاری المراکشی** (ابوعبداللہ محمد المراکشی، ساتویں صدی ہجری کے آخر میں مشہور ہوئے)۔ یہ کتاب مغرب اقصی اور وسطی کے حالات پر ہے۔ دوزی نے اس کی تحقیق کی اور فرانسیسی میں ایک تمہید لکھی۔ اس کے علاوہ اس پر تعلیقات اور تشریحات بھی شامل ہیں۔ پہلا حصہ 1848ء میں اور دوسرا 1849-1851ء میں لائیڈن میں شائع ہوا۔ پہلے حصے میں نظم الجمان از ابن القطان (وفات 627ہجری) کے کچھ حصے شامل ہیں، جبکہ دوسرے حصے میں تاریخ عریب (ابن سعد القرطبی) کے کچھ اقتباسات ہیں، جو تاریخ طبری کا تکملہ ہے اور 365ہجری پر ختم ہوتا ہے۔

دوزی نے اس کتاب پر اضافہ کیا اور کچھ متن کی تصحیح کی، جس کے لیے انہوں نے اسکوریال لائبریری، سپین میں موجود قلمی نسخوں سے مدد لی۔ انہوں نے ایک کتاب تصنیف کی جس کا عنوان تھا: "**تصحیحات لنصوص البیان المغرب وقطع من تاریخ غریب القرطبی وقطع من الحلة السیراء لابن الابار**" (595-658ہجری)، جو 1883ء میں لائیڈن میں شائع ہوئی۔

اس کتاب کا فرانسیسی ترجمہ فانیان نے کیا اور اس پر اضافہ کیا، جو دو حصوں میں 1901-1954ء میں الجزائر میں شائع ہوا۔ بعد میں لیوی پروونشال اور کولن نے اس کی مزید تصحیح کی۔ لیوی پروونشال نے تیسرا حصہ شائع کیا، جو 1932ء میں پیرس اور 1934ء میں لائیڈن میں چھپا۔

11۔ **اسپین میں مسلمانوں کی تاریخ تا فتح المرابطین**، چار حصوں پر مشتمل ہے جن میں کل 1410 صفحات ہیں۔ پہلا حصہ: خانہ جنگیاں، دوسرا: نصرانی اور مرتد، تیسرا: خلفاء، چوتھا: طوائف الملوک۔ یہ کتاب 1849-1861ء میں لائیڈن میں شائع ہوئی۔ سانتیاگو نے اس کا اسپینی میں ترجمہ کیا، جو 1920ء میں میڈرڈ میں چھپا۔ لیوی پرووانشال نے 1932ء میں لائیڈن میں اسے دوبارہ شائع کیا، جس کے بعد یہ ایک معتبر حوالہ بن گئی۔ استاد کامل الکیلانی نے ''ملوک الطوائف'' کے ساتھ اس سے استفادہ کیا۔

12۔ **تاریخ اسلام پر نظر ثانی، اور اسپین کی قرون وسطیٰ کی تاریخ و ادب پر تحقیقات**، دو حصوں میں کئی بار شائع ہوئی۔ تیسری اشاعت 1881ء میں لائیڈن میں ہوئی۔

13۔ امسٹرڈام کی ڈچ اکیڈمی میں مشرقی مخطوطات کی فہرست، 1851ء میں لائیڈن میں شائع ہوئی۔

14۔ ابن رشد اور ان کے فلسفے پر رینان کے رد میں، ایک مضمون جو 1853ء میں ایشیائی جریدے میں شائع ہوا۔

15۔ **نفح الطیب فی غصن الاندلس الرطیب از ابو العباس المقری (وفات 1041 ہجری)**۔ دوزی نے پہلے دو حصوں کی تحقیق کی، جو کتاب کا نصف ہیں، اور ڈوجا اور کریل ڈرائٹ کے تعاون سے 1861-1865ء میں لائیڈن میں دو حصوں میں شائع ہوئے۔ اس کے ساتھ مصنف کی سوانح اور کتاب کی اہمیت پر ایک مفصل فرانسیسی تمہید بھی شامل ہے۔ دوسرے حصے کے ساتھ ایک اشاریہ بھی ہے جس میں نامور شخصیات، کتابوں اور حواشی کا ذکر ہے۔

16۔ ابن بطوطہ کی سفرنامہ پر دیفر بمیري اور سانجینتي کی طرف سے شائع شدہ تعلیقات، جو 1860 میں ''حولیات جوتجن'' میں شائع ہوئیں۔

17۔ **اسپین کارلوس سوم کے دور میں** کے عنوان سے ایک مضمون، سن 1858 میں تحریر کیا گیا۔

18۔ **''مملکت غرناطہ''** کے بارے میں ایک مضمون، جو 1862 میں جرمن مشرقی رسالے میں شائع ہوا۔

19۔ **''اسلام کی تاریخ ابتدا سے 1863 تک''** کے عنوان سے کتاب، جو ہالینڈ کی زبان (ڈچ) میں لکھی گئی اور 1863 میں لائیڈن میں طبع ہوئی۔ بعد ازاں شونین نے اس کا فرانسیسی ترجمہ کیا، جو 1879 میں لائیڈن میں شائع ہوا۔

20۔ دی غویہ کی مدد سے ''**نزہۃ المشتاق**'' کے ان حصوں کو شائع کیا جو افریقہ، اندلس اور بلادِ سودان سے متعلق تھے۔ مصنف: الشریف الادریسی۔ انہوں نے اس کا نام ''صفۃ المغرب والسودان'' رکھا، اس کے ساتھ فرانسیسی میں ایک مقدمہ، اسماء کا فہرست اور اصطلاحات کی وضاحت شامل کی۔ اس کی تدوین میں پیرس کی نیشنل لائبریری کے

مخطوطے پر انحصار کیا گیا۔طباعت کا سال 1866 اور مقام لائیڈن۔

12۔''عربوں کی سیاسی اور ادبی تاریخ'' کے عنوان سے منتخب تواریخ، بالخصوص ابن الأبار کی ''الحلة السیراء'' سے انتخاب۔اس میں مرقص یوسف مولر شریک تھے۔طبع شدہ: میونخ 18761866۔

22-لانجلمان کے مرتب کردہ عربی الاصل ہسپانوی و پرتگالی الفاظ کے لغت کو مکمل کیا۔مطبوعہ: لائیڈن،1869۔

23-عریب بن سعد الکاتب القرطبی اور ربیع بن سعید الاسقف پر ایک تحقیقی مضمون لکھا، جو 1866 میں جرمن مشرقی رسالے میں شائع ہوا۔

24۔ابن خلدون کی ''مقدمہ'' پر ایک مطالعہ، جسے دس سلان (متوفی 1879) نے شائع کیا، اور جو کاترمیر کے نامکمل ترجمے کو مکمل کرتا ہے۔اسی مطالعہ کو 80 صفحات پر مشتمل فرانسیسی رسالے ''الجریدة الآسیویة'' میں شائع کیا گیا۔

25۔فلیشر کے نام ایک خط،جس میں ''نفح الطیب'' کے عربی نسخے پر گفتگو کی گئی۔شائع شدہ:لائیڈن، 1871۔

26۔سن 961ھ کے قرطبہ کے تقویم کی تدوین،جس کی نسبت عریب بن سعد القرطبی اور ربیع بن زید الاسقف کی طرف کی جاتی ہے،اس کا لاطینی ترجمہ بھی شامل کیا۔طباعت: لائیڈن،1873۔

27۔آخر میں، دوزی کا مرتب کردہ ''تکملة المعاجم العربیة'' پر مشتمل دو جلدوں کا فرانسیسی لغت، جو 18811877 میں لائیڈن میں طبع ہوا، بعد میں 1927 میں پیرس سے اور پھر 1968 میں بیروت میں مکتبہ لبنان نے آفسیٹ طریقے سے اس کا عکس شائع کیا۔

28۔ غالباً دوزی کی اور بھی تحقیقات ومضامین ہیں جو امراء، مؤرخین، ادباء، عربی الفاظ کے ماخذ اور ان میں دخیل اجنبی الفاظ پر مشتمل ہیں، لیکن مختلف رسائل میں ان کی مکمل فہرست دستیاب نہ ہونے کے باعث ان کا ذکر ممکن نہیں۔

کتاب کا تعارف:

اس نے عربی معاجم میں سے بطرس البستانی کی محیط المحیط سے استفادہ کیا ہے، اس کے بارے میں وہ کہتا ہے کہ ''ایک اور معجم جس کی نوعیت مختلف ہے، میں نے اس سے بھی فائدہ اٹھایا، وہ ہے بطرس البستانی کا ''محیط المحیط'' جو بیروت میں 1870ء میں شائع ہوا۔ یہ ایک عمدہ مجموعہ ہے، جس میں قدیم معاجم سے بھی مواد ہے، نیز متعدد مولد الفاظ اور نئے معانی بھی شامل کیے گئے ہیں۔اس میں شامی عوامی زبان (عامیة) سے بھی الفاظ شامل کیے گئے ہیں،

جنہیں میں نے اپنے معجم میں شامل کیا‘‘ یہاں اس نے جو بات کہی ہے وہ اس کی علمی دیانت اور نیک نیتی اور انکساری کا مظاہرہ کرتی ہے، وہ کہتا ہے کہ:

’’مگر جہاں تک اسلامی علوم سے متعلق اصطلاحات کا تعلق ہے؛ جو بستانی نے بڑی تعداد میں درج کی ہیں؛ میں نے اکثر کو مسترد کیا۔‘‘

اس کی دو وجوہات تھیں:

1۔ ان اصطلاحات کی تعریفیں اکثر مبہم ہیں، اور بغیر کسی دیگر عربی کتاب کے انہیں سمجھنا مشکل ہوتا ہے؛

2۔ ان اصطلاحات کو سمجھنے کے لیے متعلقہ علم میں مہارت درکار ہے، جو میرے پاس نہیں۔

میں بالآخر یہ تسلیم کرتا ہوں، جیسا کہ فریتاگ نے بھی کیا، کہ ان علوم کی میری واقفیت بہت کم ہے۔ اور فریتاگ کی طرح میں بھی سمجھتا ہوں کہ انسانی عمر اتنی نہیں کہ کوئی ایک شخص ایک ساتھ زبان عربی اور تمام اسلامی علوم کو بخوبی سمجھ سکے۔ اور چونکہ میرا رجحان تاریخ کی طرف ہے، اس لیے مجھ جیسے شخص سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی۔ میں یہاں اعتراف کرتا ہوں کہ اگر میں صوفیانہ اصطلاحات کی گہرائی میں گیا ہوتا تو شاید میرا ذہنی توازن متاثر ہوجاتا۔ لہٰذا میں یہ کام خوشی سے دوسروں کے لیے چھوڑتا ہوں۔

اس نے کتاب کے منہج کو واضح کرنے کے لئے مزید وضاحت کی ہے کہ:

’’اور شاید میرا یہ اندیشہ کہ میرا معجم کہیں جدید عربی زبان کا معجم نہ سمجھا جائے، یہی وجہ بنی کہ میں نے معجم بوسیر سے اتنا زیادہ اقتباس نہیں کیا جتنا کرسکتا تھا، چاہے میں بروقت اس سے واقف ہوبھی جاتا۔ پھر بھی، یہ معجم جیسا کہ اب ہے، کسی حد تک جدید عربی کا رنگ رکھتا ہے، حالانکہ میں نے اسے قرونِ وسطی کی زبان کے لیے مرتب کیا تھا۔‘‘

وہ مزید کہتا ہے کہ: ’’میں نے بھی کوشش کی کہ میرا معجم بلاوجہ طویل نہ ہو، اس لیے میں نے ان اشیاء کے نام چھوڑ دیے جو امریکہ کی دریافت کے بعد سامنے آئیں، نیز آتشیں اسلحہ، جدید کرنسیوں کے نام، اور وہ ہسپانوی الفاظ جو مراکشی عوامی زبان میں شائع ہو چکے تھے (جن کی طرف سیمونیہ نے دی لاتور اور لیرشني کی مراسلات کی بنیاد پر اشارہ کیا ہے)۔‘‘

وہ مزید کہتا ہے کہ: ’’مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ میں ان تمام الفاظ کی ذمہ داری قبول نہیں کرتا جنہیں میں نے جدید معاجم سے لیا۔ میں صرف انہی الفاظ کو حرکت دے کر لکھتا ہوں جن کے بارے میں مجھے پوری تحقیق ہو کہ میری حرکات درست ہوں گی۔‘‘

یورپی سیاحوں کی ایشیا اور افریقہ کی سیاحت کے دوران مرتب کردہ معلومات سے مجھے بہت فائدہ پہنچا۔ میں نے ان کی بہت سی کتابیں پڑھی ہیں، جیسا کہ اس مقدمے کے بعد دیے گئے فہرست المؤلفین میں ذکر کیا گیا ہے۔ تاہم ان مصنفین نے اکثر الفاظ کو اپنی مرضی کے مطابق لکھا، جس سے مجھے الجھن ہوئی، اور میں نے ان میں سے بہت سے الفاظ کو نظر انداز کر دیا، البتہ ان کو ایک علیحدہ نوٹ بک میں درج کیا ہے جو لائبریری میں محفوظ ہے تاکہ دوسروں کے کام آ سکے۔ کچھ الفاظ غالباً دیگر زبانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

وہ کہتا ہے کہ: ''میری بنیادی ماخذ وہ تصانیف تھیں جو عربوں نے قرون وسطیٰ میں لکھی تھیں، اور میں نے انہیں یا تو چھپی ہوئی حالت میں یا یورپی کتب خانوں میں موجود مخطوطات کی شکل میں پڑھا۔ ان کا موضوعات مختلف تھے۔ میں نے درج ذیل مصادر سے لغات جمع کیں، پھر اس نے ان عربی کتابوں کی تفصیل دی ہے جس سے اس نے استفادہ کیا۔''

بنیادی طور پر یہ لغت مفردات کی اصل تک پہنچنے کے علم اشتقاق etymology سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ اس سلسلے میں کہتا ہے کہ: ''میں نے ان الفاظ کی اصلیت (etymology) کی طرف اشارہ کیا ہے جہاں تک میری رسائی تھی، لیکن اس مطالعے پر میں اس گہرائی سے توجہ نہ دے سکا جیسی میں دینا چاہتا تھا۔ میرے اس افسوس کو اس بات سے کچھ تسلی ملتی ہے کہ بہت سے فصیح عربی لغات بھی عجمی الاصل الفاظ کے مصادر کا تعین نہیں کرتیں۔ میں یہ دعویٰ کر سکتا ہوں کہ میرا معجم نباتاتی ناموں کے لحاظ سے بہت مفید ہے۔''

''میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے یہ کام مکمل کرنے کی توفیق دی۔ یہ کام مجھ سے طویل وقت کا متقاضی تھا۔''

''مجھے تمام حوالہ جات اور متون دوبارہ دیکھنے اور ان کی تصحیح کرنی پڑی، جن میں سے بعض چالیس سال پہلے نقل کیے گئے تھے۔ اگر میں پہلے سے جان لیتا کہ کتابت اور ترتیبِ معجم کا کام آٹھ سال مسلسل محنت کا تقاضا کرے گا، تو شاید میں اس میں قدم رکھنے سے ہچکچاتا۔''

''ایک وقت ایسا بھی آیا جب میں سخت بیماری میں مبتلا تھا، اور مجھے اندیشہ ہوا کہ شاید میں اسے مکمل نہ کر سکوں۔ مگر الحمدللہ، زندگی نے میرا ساتھ دیا، اور قوت بحال رہی۔ اب میں یہ دعویٰ کرنے کی پوزیشن میں ہوں کہ میرا یہ معجم، اپنی تمام خامیوں اور کمیوں کے باوجود، عربی لغت نویسی کے فن کو ایک نئی سمت دینے میں کامیاب رہا۔''

''یہ میرے شباب کا خواب تھا، جیسا کہ میری پہلی کتاب سے بھی ظاہر ہے، اور آج میں خوش ہوں، مطمئن ہوں کہ یہ خواب حقیقت میں بدل گیا۔''

دوزی کی یہ لغت المصباح المنیر کی طرح مادہ کی بنیاد پر یا القاموس المحیط کی طرح کلمات کے آخری حروف کی بنیاد پر نہیں ہے، بلکہ یورپین ڈکشنریوں کی طرح ابجدی ترتیب پر ہے۔ مصنف نے ہر لفظ کے معنی کے ساتھ حوالہ دینے کا اہتمام کیا ہے، جو جس میں کتاب کے مصنف کے نام کا مقررہ اختصار، جلد اور صفحات کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اختصارات کی فہرست مقدمہ کے بعد دی گئی ہے جو تقریبا پاونے چار سو مصنفین کی کتابوں پر مشتمل ہے، جو کہ اس زمانے میں جبکہ اسلامی دنیا میں پریس عام نہیں ہوا تھا، ایک بہت بڑی بات ہے۔

عربی زبان کے الفاظ کی گہرائی تک پہنچنے میں دلچسپی رکھنے والوں کے لئے یہ مفید مرجع ہے۔ ایسے کاموں کی کما حقہ قدر ہونی چاہئے۔ (ختم شد)

بقیہ: توہین رسالت، انکوائری کمیشن کے قیام پر اعتراض کیوں؟

مزید یہ کہ جب انکوائری کمیشن کی رپورٹ کی کوئی حیثیت بھی نہیں ہوگی تو پھر گستاخوں کے رشتہ دار اور سہولت کار اگر سمجھتے ہیں کہ کوئی گستاخ بے گناہ ہے تو اس کی بے گناہی کمیشن کے سامنے ثابت کرنے کے بجائے ٹرائل کورٹس کے سامنے ثابت کرنے سے کیوں گریزاں ہیں؟ جبکہ مذکورہ گستاخوں کے خلاف درج مقدمات کے فیصلے ٹرائل کورٹس نے ہی کرنے ہیں اور ٹرائل کورٹس کے ججز صاحبان بھی بالکل آزاد ہیں، وہ مذہبی جماعتوں کے زیر اثر بھی نہیں ہیں۔

ان حقائق کی روشنی میں انکوائری کمیشن کے قیام کی مخالفت کی جارہی ہے۔ اگر یہ ضمانت دی جاتی کہ انکوائری کمیشن کے قیام کی وجہ سے مذکورہ گستاخوں کے خلاف جاری قانونی عمل نہیں رکے گا اور نہ ہی انکوائری کمیشن توہین مذہب و توہین رسالت کے قوانین میں کسی بھی قسم کی ترمیم کے متعلق کوئی تجویز پیش کرے گا تو پھر انکوائری کمیشن کے قیام پر کوئی اعتراض نہ کیا جاتا۔ بے شک پھر کمیشن ریٹائرڈ شخصیات پر مشتمل نہیں بلکہ سپریم کورٹ کے تین سینئر حاضر سروس ججز صاحبان پر مشتمل قائم کر دیا جاتا۔ اب گستاخوں کے رشتہ دار اور ان کے سہولت کار اپنے الزامات کو یا کسی بھی گستاخ کی بے گناہی کو ٹرائل کورٹ کے روبرو درست ثابت کر دیتے ہیں تو خاکسار اس حق میں ہے کہ پھر مدعی مقدمہ پر تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ 295 سی کا ہی اطلاق کر کے اسے سزائے موت دی جائے۔ اس لئے کہ کسی بے گناہ شخص پر توہین رسالت کا الزام عائد کرنا بھی توہین رسالت ہی ہے۔ اگر گستاخوں کے رشتہ دار اور سہولت کار اپنے موقف میں سچے ہیں تو پھر وہ عملی اقدامات کی طرف آئیں۔ درست قانونی فورم ٹرائل کورٹ میں آئیں۔ نہ کہ انکوائری کمیشن کے پیچھے چھپیں کہ جس کی رپورٹ کی نہ تو کوئی قانونی حیثیت ہوگی اور نہ ہی جہاں سے کوئی عملی نتیجہ برآمد ہوگا۔

حضرت شیخ ابراہیم بن حسن الکردی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۰۲۵-۱۱۰۱ھ/۱۶۱۶-۱۶۹۰ء)

مولانا جنید اشفاق اٹکی

برصغیر پاک و ہند میں تقریباً ہر حدیث کی سند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے واسطے سے ہوتی ہوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ علم حجاز سے برصغیر منتقل کیا تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی تقریباً تمام اسناد حضرت شیخ ابوطاہر المدنیؒ کے واسطے سے ہوتی ہوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہیں۔ ان اسناد حدیث میں آنے والی ہر ہر شخصیت علوم و معارف کی درخشاں تاریخ ہے۔ ان شاء اللہ العزیز ہر ہر شخصیت پر مستقل تعارفی مضمون پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ یہ مضمون حضرت شاہ صاحبؒ کی سندِ حدیث میں آنے والی دوسری شخصیت، آپ کے استاد اور شیخ و مرشد حضرت شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم المدنیؒ کے بارے میں ہے۔

نام ونسب:

صاحب ''سلک الدرر''، آپ کا تعارف فرماتے ہوئے اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ پائے۔ القابات کا تسلسل ملاحظہ فرمائیں:

ابراهيم بن حسن الكوراني الشهرزوري الشهراني الشافعي، نزيل المدينة المنورة، الشيخ الامام العالم العلّامة، خاتمة المحققين، عمدة المسندين، العارف بالله تعالى، صاحب المؤلفات العديدة، الصوفي النقشبندي، المحقق المدقق، الاثري المسند النسابة، أبو الوقت، برهان الدين (۱)

عبداللہ بن محمد العیاشیؒ نہایت عقیدت مندانہ انداز میں آپ کا ذکر خیر ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

فقيه الصوفية و صوفي الفقهاء۔ عالم الصلحاء و صالح العلماء (۲)

آپ کا نام ابراہیم بن حسن تھا، پیدائش شہرزور میں ہوئی، بعد میں آپ مدینہ منورہ منتقل ہو گئے تھے۔ کورانی

(۱) سلک الدرر ج:۱ ص:۹

(۲)۔ الرحلۃ العیاشیۃ ج:۱ ص:۴۷۹

اور شہر زوری کی نسبتیں آپ کے قبیلے اور علاقے کی طرف منسوب ہیں۔

تاج العروس کے مصنف لکھتے ہیں:

کوران (ضمہ کے ساتھ)، کردوں کا قبیلہ ہے، اس قبیلے میں محدثین علماء کرام کافی تعداد میں پیدا ہوئے، ان میں سب سے آخری ہمارے شیخ المشائخ علامہ ابوالعرفان ابراہیم بن حسن تھے۔

شہر زور (زبر کے ساتھ)، زور بن ضحاک کا بسایا ہوا شہر ہے اور اسی کی طرف منسوب ہے۔ آج کل اربل اور ہمذان کے مابین پہاڑوں میں واقع کُھلا علاقہ ہے، اس کے رہنے والے سارے کے سارے کرد ہیں.... ... متاخرین میں شیخ ابراہیم بن حسن بھی اسی علاقے کی طرف منسوب ہیں۔ (۱)

یہاں سے معلوم ہوا کہ قبیلے کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کو الکورانی اور علاقے کی طرف نسبت کرتے ہوئے الشہر زوری کہا جاتا ہے۔

غور فرمایئے گا کہ آج کم وبیش چار سو سال بعد کسی علاقے یا قبیلے کا تعارف صرف اس وجہ سے کرایا جارہا ہے کہ وہ کسی اللہ والے کی طرف منسوب ہے۔ کسے خبر کہ کورانی کون اور شہر زور کہاں واقع ہے لیکن ان نسبتوں کی برکات ملاحظہ فرمائیں کہ ان کے باعث قبیلے اور علاقے پہچانے جارہے ہیں!

شہر کا شہر خوبصورت ہے
آپ کیا ہر مکاں میں رہتے ہیں؟

تعلیم وتربیت:

آپ کی پیدائش ۱۰۲۵ھ میں ہوئی، اپنے شوق سے علم حاصل کیا، مدینہ منورہ کی طرف رختِ سفر باندھا، وہیں ڈیرے ڈالے اور علماء کی ایک بڑی جماعت سے علوم ومعارف حاصل کیے (۲)

علامہ شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

آپ بڑی پاکیزہ پرورش میں پلے بڑھے، اپنے وطن ہی میں عربی، منطق، حساب، ہئیت، ہندسہ اور دیگر علوم حاصل کیے۔ آپ کی عادت یہ تھی کہ جب بھی کسی فن کا کوئی مسئلہ پیش آتا تو اس کی خوب گہرائی میں جا کر تحقیق کرتے۔ اس کے بعد آپ نے معانی، بیان، اصول، فقہ اور تفسیر کی تعلیم حاصل کی پھر دیگر ممالک

---

(۱)۔ تاج العروس (ک ور۔۔۔۔۔ش ہ ر)

(۲)۔ سلک الدرر ج:۱ ص:۹

مثلاً شام، مصر، حجاز اور حرمین میں حدیث کی سماعت فرمائی۔ (۱)

الرحلۃالعیاشیۃ کے مصنف فرماتے ہیں کہ میں ملّا ابراہیم بن حسن کے پاس حکمت کی کتاب **الھدایۃالاثیریۃ** پڑھ رہا تھا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ جب پہلی دفعہ انہوں نے یہ کتاب پڑھی تھی تو ان کے سامنے علم ہندسہ کا مسئلہ پیش آیا تو وہ اس سے آگے نہیں بڑھے یہاں تک کہ پورا علم ہندسہ پڑھا اور اس میں مہارت حاصل کی۔ پھر علمِ ہیئت کا مسئلہ پیش آیا تو اس علم میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ اس کی بھی معرفت حاصل کر لی۔ اِسی طرح جب بھی کسی علم سے متعلق کوئی مسئلہ پیش آتا تو پورا علم پڑھتے یہاں تک کہ مقاصد کتب کا مکمل علم حاصل کر لیتے۔ انہوں نے یہ کتاب اس حال میں ختم کی کہ اس کی پوری تحقیق کر لی اور اس کے ساتھ ساتھ دیگر کئی علوم کی بھی تحقیق کر لی۔ (۲)

مختلف مشائخ سے علمِ حدیث حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ آپ نے شیخ احمد قشاشی سے خوب خوب استفادہ فرمایا تھا۔ آپ نے اپنے شیخ سے مختلف اسناد حاصل کی تھیں، تبرکاً آپ کی صحیح بخاری کی سند پیش خدمت ہے:

الشیخ ابراهیم، قال:قرأت علی الشیخ احمدالقشاشی قال :اخبرنا احمد بن علی بن عبد القدوس ابو المواهب الشناوی، قال: اخبرنا الشیخ شمس الدین محمد بن احمد بن محمد الرملی ، عن شیخ الاسلام ابی یحیی احمد زکریا بن محمد الانصاری، قال: قرأت علی الشیخ شهاب الدین احمد بن علی بن حجر الکنانی العسقلانی صاحب فتح الباری ، عن الشیخ زین الدین ابراهیم بن احمد التنوخی، عن ابی العباس احمد بن ابی طالب الحجار، عن الشیخ سراج الدین الحسین بن المبارک الحنبلی الزبیدی، عن الشیخ ابی الوقت عبد الاول بن عیسی بن شعیب السجزی الهروی، عن الشیخ ابی الحسن عبدالرحمن بن محمد بن المظفر بن داود الداودی، عن ابی محمد عبدالله بن احمد السرخسی، عن ابی عبد محمد بن یوسف بن مطر بن صالح بن بشر الفربری، وهو من ارشد تلامذة الامام البخاری عن مؤلفه امیر المؤمنین فی الحدیث ابی عبدالله محمد بن اسماعیل بن ابراهیم بن بردزبة الجعفی البخاری رحمهم الله تعالی و نفعنا بعلومهم، آمین (۳)

---

(۱) ۔البدر الطالع ج:۱ص:۱۲

(۲)۔الرحلۃ العیاشیۃ ج:۱ص:۴۷۹

(۳)۔ ماخوذ من "ثبت العثمانی"

علوم ظاہرہ کے ساتھ ساتھ علوم باطنہ کی تحصیل بھی آپ کو شہر شہر لیے پھر رہی تھی۔ کبھی بغداد، کبھی شام کبھی حجاز ...!

دو گھڑی میسر ہو اس کا ہمسفر ہونا
پھر ہمیں گوارا ہے اپنا در بدر ہونا

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، آپ کا تعارف فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آپ عالم و عارف تھے اور فقہ شافعی، حدیث اور عربی ادب میں مہارت کاملہ رکھتے تھے، ان تمام علوم میں آپ کی تصانیف موجود ہیں۔ آپ نے اپنے وطن میں علم کی تکمیل فرمائی، پھر حج کے ارادے سے نکلے اور تقریباً دو سال تک بغداد میں مقیم رہے۔ اس اثنا میں آپ اکثر سیدی شیخ عبد القادر قدس سرہ کے مزار مبارک کو مرکزِ توجہ بنایا کرتے تھے اور یہیں سے ہی آپ کو اس راہ (معرفت) کا ذوق وشوق پیدا ہوا۔ اس کے بعد آپ نے شام میں چار سال قیام فرمایا پھر مصر سے ہوتے ہوئے حرمین تشریف لائے اور شیخ احمد قشاشی سے ملاقات کی اور دونوں کے درمیان عجیب قسم کے روابط وتعلقات پیدا ہو گئے۔ شیخ ابراہیم کردی نے شیخ قشاشی سے حدیث روایت کی، ان سے خرقہ پہنا اور ان کی صحبت کے فیض سے اعلیٰ کمالات پر فائز ہوئے۔ آپ فارسی، کردی، ترکی اور عربی سب زبانیں اچھی طرح جانتے تھے۔ آپ ذہن کی تیزی، تبحر علم، زہد، انکساری، صبر اور حلم وحوصلہ ایسے خصائل حمیدہ سے متصف تھے۔''(۱)

(بغداد میں قیام کے دوران) اہل بغداد نے آپ سے تدریس کا مطالبہ کیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں عربی زبان اچھی طرح بول نہیں سکتا تھا، مگر صرف اتنی عربی پر قدرت رکھتا تھا جتنی میں نے کتابوں میں پڑھی تھی۔ یہ بات مجھ پر بڑی شاق گذری، میں نے کچھ دن اس کا جائزہ لیا پھر اللہ تعالیٰ نے میرے لئے آسان کر دیا یہاں تک کہ مجھے پرواہ ہی نہیں ہوتی تھی کہ میں فارسی میں پڑھا رہا ہوں یا عربی میں۔ فرمایا کہ بغداد میں ترکی کے کچھ طلباء تھے انہوں نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ میں ان کے پاس موجود کتابیں انہیں ترکی زبان میں پڑھا دوں جبکہ مجھے ترکی زبان نہیں آتی تھی تو میں نے تھوڑی سی مدت میں ترکی زبان سیکھ لی، پھر میں عربی، فارسی، ترکی (تینوں زبانوں) میں پڑھانے لگا، مجھے عربی سے زیادہ کوئی زبان پسند نہیں تھی یہاں تک کہ میں اللہ تعالیٰ سے بار ہا دعا کیا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ دنیا میں میری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایسی نرینہ اولاد نصیب فرمائے جو عربی اچھی طرح جانتی ہو۔(۲)

---

(۱)۔ مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ ج: ۳ ص: ۴۶۷ (رسالہ: انفاس العارفین ترجمہ: سید محمد فاروق تحقیق: مفتی عطاء الرحمن قاسمی)

(۲)۔ الرحلۃ العیاشیۃ ج: ۱ ص: ۴۸۰

دمشق میں آپ نے حافظ نجم محمد بن محمد عامری غزی اور مصر میں ابو العزایم سلطان بن احمد مزاحی، محمد بن علاؤالدین بابلی، تقی عبدالباقی حنبلی اور دیگر حضرات سے علم حاصل کیا(۱)۔

آپ کے مشائخ کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) ابوزید عبدالرحمن بن عبدالقادر الفاسی (۲) ابوسالم العیاشی (۳) ابوالعباس بن ناصر (۴) ابوالعزائم، سلطان بن احمد بن سلامۃ بن اسماعیل المزاحی الازھری (۵) ابوالمواھب احمد بن علی الشناوی (۶) احمد العجمی الشھاب (۷) التقی عبدالباقی الحنبلی (۸) زین العابدین الطبری (۹) الشھاب الخفاجی (۱۰) شھاب الدین احمد بن خلیل السبکی (۱۱) صفی الدین احمد بن محمد القشاشی (۱۲) علی الشبراملسی (۱۳) عیسی الثعالبی (۱۴) عبدالباقی بن عبدالباقی بن عبدالقادر بن عبدالباقی بن ابراھیم بن عمر بن محمد الحنبلی البعلی الازھری الدمشقی (۱۵) عبداللہ بن سعد اللہ اللاھوری (۱۶) عبدالقادر بن علی الفاسی (۱۷) عبدالقادر بن مصطفی الصفوی الدمشقی (۱۸) علی بن العفیف التعزی (۱۹) علی بن مطیر الحکمی، أبوالحسن (۲۰) عبدالکریم بن أبی بکر الحسینی الکورانی (۲۱) عبداللطیف بن عبدالملک العباس (۲۲) عیسیٰ بن محمد الجعفری المغربی المکی (۲۳) نجم الدین محمد بن بدرالدین محمد بن رضی الدین محمد العامری الغزی الدمشقی الشافعی الحافظ، مفتی دمشق (۲۴) نورالدین بن مطیر (۲۵) مبارکۃ، وزین الشرف اختا الشیخ الزین الطبری (۲۶) محمد بن سعید المرغتی السوسی (۲۷) محمد شریف بن یوسف الکردی الکورانی (۲۸) محمد بن علاء الدین، الشمس البابلی (۲۹) محمد بن محمد بن سودۃ الفاسی (۳۰) محمد بن محمد المرابط الدلائی (۲)

مقام ومرتبہ:

مختلف ممالک سے ہوتے ہوئے آخرکار آپ نے مدینہ منورہ کو اپنا مسکن بنالیا اور ساری زندگی یہاں بسر کی۔ صاحب ''سلک الدرر'' لکھتے ہیں کہ آپ کی شہرت ہوئی اور قدر ومنزلت بڑھی تو دور دراز علاقوں سے علم کے متلاشی آپ سے علوم ومعارف حاصل کرنے دوڑے چلے آئے اور آپ نے مسجد نبوی شریف میں اپنا حلقہ درس قائم کرلیا ... ... آپ علم کے پہاڑ اور عرفان کے بہتے ہوئے دریا تھے۔(۳)

آپ کے بعض تلامذہ کے نام درج ذیل ہیں:

---

(۱)۔ سلک الدرر ج:۱ص:۹

(۲)۔ إعمال الفکر والروایات فی شرح حدیث"انما الاعمال بالنیات"۔ تحت"المؤلف وآثارہ" ص ۱۲

(۳)۔ سلک الدرر ج:۱ص:۱۰

(۱) ابراہیم بن محمد سعید بن جعفر الحسنی الادریسی المنوفی المکی الشافعی (۲) احمد بن محمد بن احمد بن عبدالغنی الدمیاطی الشافعی، الشہیر بالبناء (۳) احمد بن محمد بن امین الدین بن شہاب بن ابی الفضل بن عمر بن احمد بن شرف الدین المعروف بالدارانی الدمشقی (۴) اسحاق بن محمد بن ابراہیم بن ابی القاسم بن اسحاق بن ابراہیم بن ابی القاسم بن ابراہیم بن ابی القاسم ابن عبداللہ بن جمعان (۵) ابوالحسن السندی، نور الدین محمد بن عبدالھادی التتوی المدنی (۶) ابوالعباس احمد بن الامام الشہیر ابی عبداللہ سیدی محمد بن ناصر الدرعی (۷) عبدالقادر بن ابی بکر الصدیقی الحنفی ابوالفرج محیی الدین جامع مؤلفاتہ (۸) عبدالغنی بن صلاح الدین المعروف بالخانی الحنفی الادیب (۹) عبداللہ بن سالم بن عیسی البصری الشافعی (۱۰) مصطفی بن فتح اللہ الحموی الحنفی (۱۱) محمد سعید بن ابی بکر بن عبدالرحیم بن مھنا الحسینی البغدادی (۱)

آپ علوم عقلیہ ونقلیہ کے جامع عالم، فقیہ اور محدث تھے، آپ کی کثیر تصنیفات ہیں یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ ان کی تعداد کم وبیش ۸۰ یا ۱۰۰ سے زائد ہے۔ (۲)

ھدیۃ العارفین کے مصنف نے آپ کی کتب کی درج ذیل طویل فہرست ذکر فرمائی ہے:

اتحاف الْخلف بتحقيق مَذْهَب السّلف ، اتحاف الذكى بشرح التُّحْفَة الْمُرْسلَة إِلَى النَّبِي، اسعاف الحنيف لسلوك مَسْلَك التَّعْرِيف، الاسفار عَن اصل استخارة اعمال اللَّيْل وَالنَّهَار، اشراق الشَّمْس بتعريف الْكَلِمَات الْخمس ،الاعلان بِدفع التَّنَاقُض فِي صُورَة الاعيان ، اعمال الْفِكر وَالرِّوَايَات فِي شرح حَدِيث انما الاعمال بِالنِّيَّاتِ ، افاضة العلام بتحقيق مَسْأَلَة الْكَلَام، اقتفاء الْآثَار الماع الْمُحِيط بتحقيق الْكسْب الْوسط بَين طرفِي الافراط والتفريط، الالمام بتحرير قولى سعدى وعصام فِي التَّفْسِير، امداد ذوى الاستعداد لسلوك مَسْلَك السداد، انباء الانباء على تَحْقِيق اعراب لَا اله الا الله ، ايقاظ القوابل للتقرب بالنوافل، بلغَة الْمسير إِلَى تَوْحِيد العلى الْكَبِير، تحفة التَّوْفِيق بَين كَلَامي اهل الْكَلَام واهل الطَّرِيق ،تَكْمِيل التَّعْرِيف لكتاب فِي التصريف ،تَنْبِيه الْعُقُول على تَنْزِيه الصُّوفِيَة من اعْتِقَاد التجسيم والعينية والاتحاد والحلول، التوصيل إِلَى ان علم الله بالاشياء ادل على التَّفْصِيل ،جلاء الانظار بتحرير الْجَبْر فِي الِاخْتِيَار ،جلاء النّظر فِي بَقَاء التَّنْزِيه مَعَ التجمع فِي

---

(۱)۔ اِعمال الفکر والروایات فی شرح حدیث "انما الاعمال بالنیات"۔ تحت "المؤلف وآثارہ" ص ۱۵

(۲)۔ مجم المؤلفین ج:۱ ص:۲۱

الصُور، جنَاح النجاح، الجوابات الغراوية عَن الْمسَائِل الجاوية الجهرية، جَوَاب العتيد لمسألة اول وَاجِب وَمَسْأَلَة التَقْلِيد، الْجَواب الْكَافِي عَن مَسْأَلَة احاطة الْعلم الْمَخْلُوق بِالْغَير المتناهي، الْجَواب المشكور عَن السُّؤَال المنظور، حسن الاوبة فِي حكم التَّوْبَة، شوارق الانوار فِي المسلك الْمُخْتَار، ضِيَاء الْمِصْبَاح فِي شرح بهجة الارواح، عجالة ذوى الانتباه تَحْقِيق اعراب لَا اله الا الله، قصد السَّبِيل إِلَى تَوْحِيد الْحق الْوَكِيل، القَوْل الجلى فِي تَحْقِيق قَول الامام زين الدّين بن على، القَوْل الْمُبين فِي مَسْأَلَة التكوين، كشف المستور فِي جَوَاب اسئلة عبد الشكور، اللمْعَة السّنيَة فِي تَحْقِيق الالقاء فِي الامنية، اللوامع اللآلى فِي الاربعين العوالي، مد الفئ فِي تَقْرِير لَيْسَ كمثله شئ، مسالك الابرار إِلَى احاديث النَّبِي الْمُخْتَار، مَسْلَك الِاعْتِدَال إِلَى آيَة خلق الاعمال، المسلك الجلى فِي حكم شطح الولى، مَسْلَك السداد إِلَى مَسْأَلَة خلق الْعباد، المسلك الْقَرِيب إِلَى سُؤَالَات الحبيب، المسلك الْمُخْتَار فِي اول صادر من الْوَاجِب بالاختيار، المتمة للمسألة المهمة، مجلى الْمعَانِي على عقيدة الدوانى، مشرع الْوُرُود إِلَى مطلع الْجُود لَهُ، مطلع الْجُود بتحقيق التَّنْزِيه فِي وحدة الوجود، النبراس لكشف الالتباس الْوَاقِع فِي الاساس، نبراس الايناس باجوبة سُؤَالَات اهل فاس، نوال الطول، والامم لايقاط الهمم (۱)

سلسلۂ طریقت:

آپ نے مختلف مشائخ سے استفادہ کیا، آخر میں شیخ احمد قشاشی کی صحبت میں آئے اور انہی کے رنگ میں رنگ گئے۔

۔الرحلة العياشية کے مصنف فرماتے ہیں کہ ملا ابراہیم شیخ (قشاشی) کے ہاں برابر ترقی کے درجات طے فرماتے رہے یہاں تک کہ شیخ نے آپ کو افتاء اور تدریس کی اجازت عطا فرمائی، اپنی دختر نیک اختر کا نکاح آپ سے کیا اور وفات سے پہلے زندگی کے آخری سالوں میں، ان خطوط کا جواب لکھنے کی ذمہ داری بھی آپ کو سونپ دی جو شیخ کے پاس اطراف عالم سے آیا کرتے تھے۔ جواب لکھنے کے بعد آپ شیخ کو دکھاتے، شیخ کبھی اس میں کمی بیشی فرماتے اور کبھی اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیتے۔ (عبداللہ بن محمد العیاشی) فرماتے ہیں کہ میں نے ملا ابراہیم کے لکھے ہوئے بہت سے خطوط دیکھے ہیں جن پر حاشیہ شیخ قشاشی کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ اطرافِ عالم، شام، عراق، یمن بلکہ

(۱)۔ ہدیۃ العارفین ج:۱ ص:۳۵

ہندوستان سے آنے والے بہت سارے سوالات شیخ قشاشی آپ کے پاس بھیج دیا کرتے تھے، آپ دونوں علوم (علم ظاہر وعلم باطن) سے متعلقہ سوالات کے جوابات تحریر فرماتے تھے ... ...

جب شیخ کی وفات کا وقت قریب ہوا تو انہوں نے آپ کو اپنے تمام اصحاب واولاد پر فوقیت دی، آپ کو خلیفہ بنایا اور آپ کے لئے وصیت فرمائی۔ آپ شیخ کے بعد ان کے ظاہری وباطنی خلیفہ نامزد ہوئے (۱)۔

آپ نے اپنے شیخ سے مختلف سلاسل کے خرقے حاصل کیے تھے۔ ان خرقوں کی اسناد بھی آپ کی احادیث کی اسناد کی طرح محفوظ ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنے رسالے الانتباہ فی سلاسل اولیاء میں مختلف سلاسل کی کئی اسناد ذکر فرمائی ہیں۔ تبرکاً سلسلہ نقشبندیہ کی سند پیش خدمت ہے:

شیخ ابراهیم را ارتباط باشیخ احمد قشاشی است از جهت تلقین وخرقه عن ابی المواهب احمد الشناوی عن الشیخ محمد بن محمدبن عبدالرحمن التهنیسی عن مولانا محمد امین بن اخت ملا جامی عن مولانا غیاث الدین احمدعن مولانا علاؤ الدین محمدعن مولانا عبدالرحمن الجامی عن مولانا سعید الدین الکاشغری عن مولانا نظام الدین خاموش عن خواجه علاؤ الدین العطار عن خواجه بهاؤ الدین نقشبند ...(۲)

ترجمہ:

شیخ ابراہیم کو تلقین وخرقہ کی اجازت شیخ احمد قشاشی سے حاصل ہوئی، انہیں ابوالمواہب احمد شناوی سے، انہیں شیخ محمد بن محمد بن عبدالرحمن تہنیسی سے، انہیں ملا جامی کے بھانجے مولانا محمد امین سے، انہیں مولانا غیاث الدین احمد سے، انہیں مولانا علاؤالدین محمد سے، انہیں مولانا عبدالرحمن جامی سے، انہیں مولانا سعیدالدین کاشغری سے، انہیں مولانا نظام الدین خاموش سے، انہیں خواجہ علاؤالدین عطار سے اور انہیں خواجہ بہاؤالدین نقشبند سے رحمہم اللہ علیہم اجمعین

حضرت ابراہیم بن حسنؒ کی محبت چاہنے والوں کے لئے نعمت سے کم نہیں تھی، لوگ آپ کی زیارت اور آپ سے ملاقات کے بہانے تلاش کیا کرتے تھے، عبداللہ بن محمد العیاشیؒ مدینہ منورہ کے سفر میں آپ سے ملنے کی جستجو کرتے ہیں اور کئی بار کی کوشش کے بعد کسی واسطے سے آپ کی دہلیز تک پہنچ جاتے ہیں، اشعار کی صورت میں اپنے جذبات کا اظہار فرماتے ہیں۔ آج کئی صدیاں گذرنے کے بعد بھی ان اشعار کی تازگی برقرار ہے، شاید کہ اردو ترجمہ اس کی ترجمانی کا حق ادا نہ کر سکے، ان الفاظ کی اصل چاشنی عربی زبان میں ہی محسوس کی جا سکتی ہے، طویل نظم کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

(۱)۔ الرحلۃ العیاشیۃ ج:۱ ص:۴۸۶

(۲)۔ الانتباہ فی سلاسل اولیاء ص:۲۹

أشافي قلبي بعد ما كنتَ جارحہ   يُحبک منی کل عُضو وجارحہْ

"اے میرے دل کو زخمی کرنے کے بعد اسے شفا بخشنے والے! میرا رُواں رُواں مجھ سے زیادہ تجھ سے محبت کرتا ہے۔"

وبينَ يدىْ نجواىَ قدمتُ مِدحَتی   لتکرمَنی والمرءُ يکرمُ مادِحَہْ

"میں اپنی سرگوشی سے پہلے اپنی طرف سے تعریف پیش کرتا ہوں تاکہ آپ میرا اعزاز واکرام فرمائیں اور آدمی اپنی تعریف کرنے والے کو نوازتا ہی ہے۔"

ولمْ أبْغِ إکراماً بدنيا أنالَها   ورفعة قدر فی الديانَةِ قادحہْ

"میں اپنا اکرام اس لئے نہیں کروانا چاہتا کہ دنیا یا ایسی شان وشوکت حاصل کرلوں جس کی دین میں مذمت آئی ہے۔"

ولکنْ لاصلاح بنفس خبيثة   عن الخير ما زالتْ مدَى الدهر جامحہْ

"لیکن اس لئے کہ میں اپنے بے مہار نفس کی اصلاح چاہتا ہوں جو ایک زمانے سے خیر کے کاموں سے بے لگام ہوتا چلا جارہا ہے۔"

سألتُ ذوي العرفانِ عن بابِ فضلہِ   ومن صارَ بعد الشيخِ للناسِ فاتِحہْ

"میں نے اہل معرفت سے سوال کیا کہ شیخ قشاشی کے بعد لوگوں کے لئے فضل وعرفان کے در وا کرنے والے کون ہیں؟"

فقالوا أبُوا إسحاق خاتِمة النهى   وفاتحةُ الإحسانِ أکرمْ بفاتِحہْ

"لوگوں نے جواب دیا کہ ابواسحاق ہیں! جن پر عقل مندی کی انتہا ہے احسان کے در کھولنے والے اور کیا ہی خوب در کھولنے والے ہیں!!"

أمولايَ ابراهيمُ يا منْ بفضلِہِ   طيورُ العُلا في دوحة المجدِ صَادحہْ

"اے میرے مولا ابراہیم! جن کے فضل وکرم کے طفیل قدرومنزلت کے پنچھی بزرگی کے گھنے سائبان میں چہچہارہے ہیں۔"

ببابک عبدٌ طالِب لزيارَة   لکيما ينالَ دعوةً منک ناجحہْ

"آپ کی زیارت کا مشتاق غلام آپ کے دروازے پر حاضر ہے تاکہ آپ کی طرف سے سودمند بلاوا حاصل کرلے۔"

أحبکَ لا عن رؤيةٍ سبقتْ له ولکن لأخبارٍأتتْ عنکَ صالحہْ

"میں آپ سے محبت اس وجہ سے نہیں کرتا کہ میں نے پہلے کبھی آپ کی زیارت کی ہے، میری محبت کی وجہ تو آپ کی نیک نامی کے قصے ہیں، جو مجھ تک پہنچے ہیں۔"

آپ کی سیرت کے روشن پہلو: شیخ ابراہیم بن حسنؒ نے اپنی سادگی، فنائیت اور علم وعمل کے گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

''شیخ ابراہیم کی سیرت یہ تھی کہ وہ خود پسند صوفیاء کی طرح بڑے بڑے عمامے، لمبی آستینوں اور پھٹے پرانے لباس سے بیزار تھے۔ آپ اہلِ حجاز کی طرح متوسط درجے کا لباس پہنتے تھے، جو مختصر سی پگڑی، اون کی دھاری دار عبا اور بڑے رومال پر مشتمل ہوتا آپ کبھی کسی محفل میں نمایاں جگہ بیٹھنے اور گفتگو میں پہل کرنے کے ذریعے اپنی حیثیت کا اظہار نہیں فرماتے تھے... ...اگر کوئی ان سے کسی مسئلے کے بارے میں سوال کرتا تو توقف فرماتے یہاں تک کہ تحقیق وانصاف کے ساتھ اس شکال کو حل کر دیتے... ...جب مسائل حکمت پر گفتگو فرماتے تو اس ضمن میں حقائق صوفیاء بھی بیان فرماتے اور کلام صوفیاء کو حکماء کی تحقیق پر ترجیح دیتے اور فرماتے کہ یہ فلاسفہ گرتے گرتے حق کے قریب تو پہنچ گئے لیکن اس تک ان کی رسائی نہیں ہوئی۔''(۱)

شیخ ابراہیم بن حسنؒ کی سیرت میں سادگی اور فنائیت کا عنصر واضح دکھائی دیتا ہے، آپ دین کی صحیح تعبیر بیان فرماتے نیز تصوف کی حقیقت قال وحال سے کھولتے ہوئے نظر آتے ہیں، یہی فکر آپ کے صاحبزادے میں منتقل ہوئی، پھر یہی فکر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لے کر برصغیر پہنچے اور پھر اسی فکر کے نتیجے میں دارالعلوم دیوبند کا قیام ایک ایسے دور میں عمل میں آیا جب دین کی صحیح تعبیر گم ہوتی جارہی تھی، یہ قیام کسی نئے مکتبہ فکر کی بنیاد نہیں تھی بلکہ اسی فکر کا تسلسل اور نتیجہ تھا جو فکر حجاز میں شیخ ابو طاہر المدنی اور ان کے والد شیخ ابراہیم بن حسنؒ سے ہوتی ہوئی سینہ در سینہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے۔ آج وہی فکر اس خطے میں ایک مرکز کی صورت میں ظاہر ہورہی تھی۔

شیخ ابراہیم بن حسنؒ کے خاندان نے اس انقلاب میں بنیاد کے پتھر کا کردار ادا کیا ہے۔ آج اس خطے میں اگر

---

(۱)۔ مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ ج: ۳ ص: ۴۶۹ (رسالہ: انفاس العارفین ترجمہ: سید محمد فاروق تحقیق: مفتی عطاء الرحمن قاسمی)

دین کے زمزمے گونج رہے ہیں تو اس میں شیخ ابراہیم بن حسنؒ اور آپ کی نسلوں کا پورا پورا حصہ ہے۔ کتنا عظیم صدقہ جاریہ ہے جو صرف ایک شاگرد (شاہ ولی اللہ صاحب) کی برکت سے اس خانوادے کے حصہ میں آیا ہے:

یاد آؤں گا تجھے ذہن کی ہر منزل پر
حرفِ سادہ تو نہیں ہوں کہ بھلایا جاؤں

عالم بالا روانگی: بدھ کا دن اور عصر کے بعد کا وقت جب سورج غروب ہونے کے قریب تھا، مدینہ منورہ کے اس بزرگ کے آخری لمحات بھی قریب آچکے تھے، ایک سورج یہاں بھی غروب ہونے والا تھا، زندگی اپنی داستان سمیٹنے اور آپ کا ذکرِ خیر چہار دانگ عالم میں پھیلنے کے لیے تیار تھا۔ شیخ ابراہیم بن حسنؒ کا مزار اسی قبرستان میں بننے جا رہا تھا جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے سیدنا ابراہیم بھی اپنی معصومیت سمیت آرام فرما تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادے سیدنا ابراہیم کی وفات پر **واللہ انا علی فراقک یا ابراھیم لمحزونون** کے جگر چیر نے والے الفاظ کہے تھے۔ آج یہی الفاظ مدینہ منورہ کے ایک خطیب کی زبان پر تھے اور ان الفاظ سے نیک فال لیتے ہوئے شیخ ابراہیم بن حسنؒ کی تاریخ وفات (١٠١١ھ) نکالی جارہی تھی۔(١)

آپ کی وفات ٢٨ ربیع الثانی ١٠١١ھ، بروز بدھ بعد العصر، مدینہ منورہ میں واقع اپنے گھر میں ہوئی، اور تدفین جنت البقیع میں عمل میں آئی (٢)

آخر گِل اپنی صرف درِ مے کدہ ہوئی
پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

اللہ تعالی ان بزرگوں کے فیض کو تا قیامت جاری وساری رکھے اور ہمیں ان کے نقوش قدم کی اتباع کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین!۔

---

(١)۔۔ مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ ج:٣ ص:٤٠٧

(٢)۔ سلک الدرر ج:١ ص:١٠

معاہدہ ابراہیمی اور اس کے مضمرات

مولانا حبیب الرحمٰن

گزشتہ کچھ عرصے سے ابراہیمی معاہدہ (Abraham Accords) کی دنیا بھر میں زبردست تشہیر کی جارہی ہے۔ دنیا کو یہ باور کروایا جارہا ہے کہ یہ معاہدہ مشرقِ وسطیٰ میں امن واستحکام کی نوید ہے، حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اس معاہدے کا نہ صرف فلسطینیوں کے بنیادی حق، بلکہ اسلام کی نظریاتی بنیاد سے بھی براہِ راست ٹکراؤ ہے۔ ''ابراہیمی ایکارڈ'' کا لفظ 2020 میں امریکہ، اسرائیل، متحدہ عرب امارات اور بحرین کے درمیان طے پانے والے معاہدے کے لیے پہلی بار استعمال ہوا تھا۔ معاہدے کے تحت بحرین اور متحدہ عرب امارات نے اسرائیل کو تسلیم کرکے اس کے ساتھ سفارتی، تجارتی، اور عسکری تعلقات قائم کیے تھے۔ بعدازاں مراکش اور سوڈان بھی اس معاہدے میں شامل ہوئے تھے۔ اسے ''ابراہیمی معاہدے'' کا نام اس لیے دیا گیا تاکہ یہ تاثر دیا جاسکے کہ یہود، نصاریٰ اور مسلمان، تینوں حضرت ابراہیمؑ کو اپنا جدِ امجد مانتے ہیں، اس لیے ''ابراہیمی اشتراک'' کے تحت ان کے درمیان مذہبی ہم آہنگی، بھائی چارہ اور تعاون قائم ہورہا ہے۔

اس میں مرکزی فریق کے طور پر اسرائیل تھا، جس کی ضرورت تھی کہ وہ عرب ممالک کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کرے۔ جب کہ متحدہ عرب امارات (UAE) پہلا عرب ملک تھا، جس نے ستمبر 2020 میں اس معاہدے پر دستخط کیے۔ متحدہ عرب امارات کے فوراً بعد بحرین اس میں شامل ہوا۔ جب کہ (شمالی مسلم اکثریتی) جمہوریہ سوڈان اکتوبر 2020 میں اسرائیل کے ساتھ تعلقات معمول پر لانے پر رضامند ہوا تھا۔ 5ویں فریق کے طور پر مراکش نے دسمبر 2020 میں اس معاہدے پر دستخط کرکے اس میں شراکت اختیار کی تھی۔

ریاستہائے متحدہ امریکا نے صدر ڈونلڈ ٹرمپ کی پہلی ٹرم کی انتظامیہ کے دور میں بطور ثالث کردار ادا کرنے کے لیے اس معاہدے کے مذاکراتی سلسلوں اور نفاذ میں کلیدی کردار ادا کیا تھا۔ دوسری طرف مصر اور اردن پہلے ہی اسرائیل کے ساتھ امن معاہدوں (1979 اور 1994) پر دستخط کرچکے تھے، لیکن انہوں نے بھی ابراہیمی معاہدے کی حمایت میں اپنا کردار ادا کیا تھا۔

اس معاہدے کے تناظر میں فلسطین حقیقی فریق تھا، جسے اس معاہدے میں کسی طرح کی رائے دہی کے لیے

شریک نہیں کیا گیا تھا۔ البتہ فلسطین نے اس معاہدے کی سخت مخالفت کی تھی۔ فلسطین کی مخالفت کا بنیادی مقصد "اسرائیل عرب تعلقات کا قیام" تھا کہ عرب ممالک اپنے مسلم بھائی فلسطین کے دشمن اسرائیل کے ساتھ بھائی چارہ بڑھا رہے ہیں۔

یہ واضح رہے کہ یہ معاہدہ دراصل الگ الگ دوطرفہ معاہدوں کا مجموعہ تھا، جس میں ہر عرب ملک نے اسرائیل کے ساتھ علیحدہ معاہدے پر دستخط کیے تھے۔ جب کہ امریکا نے ان تمام معاہدوں کو "ابراہیمی معاہدات" کے نام سے یکجا طور پر پیش کیا تھا۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ ابراہیمی معاہدہ درحقیقت ایک واحد کثیر الجہتی معاہدہ نہیں تھا، بلکہ یہ الگ الگ دوطرفہ معاہدوں کا مجموعہ ہے۔ اس میں ہر عرب ملک نے اسرائیل کے ساتھ علیحدہ مذاکرات کر کے اپنے تعلقات کو معمول بنایا تھا۔ امریکا نے ان تمام معاہدوں کو ایک ہی عنوان "ابراہیمی معاہدات" کے تحت پیش کیا، تاکہ انہیں ایک بڑی سفارتی کامیاب کے طور پر دکھایا جاسکے۔

یہی وجہ ہے کہ متحدہ عرب امارات (UAE) اور اسرائیل نے اس معاہدے پر 15 ستمبر 2020 کو معاہدے پر دستخط کیے تھے۔ اس معاہدے میں اسرائیل اور متحدہ عرب امارات کا مقصد باہمی تعلقات معمول بنانے، اقتصادی تعاون اور ٹیکنالوجی کے شعبوں میں شراکت داری پر اتفاق کرنا تھا۔

بحرین اور اسرائیل نے اپنے مابین 15 ستمبر 2020 کو UAE کے ساتھ ہی دستخط کر کے معاہدہ کنفرم کیا تھا۔ بحرین اور اسرائیل کے معاہدے کا مقصد باہم سفارتی تعلقات، تجارت اور سلامتی کے میدان میں تعاون قائم کرنا اور بڑھانا تھا۔

سوڈان اور اسرائیل نے اکتوبر 2020 میں غیر رسمی طور پر معاہدہ پر دستخط کیے تھے۔ اس معاہدے کے بعد سوڈان کی جانب سے اسرائیل کو تسلیم کرنے کا اعلان کیا گیا، جس کے بدلے امریکا نے سوڈان کو "دہشت گردی کی حامی ریاست" کی فہرست سے نکال دیا۔

مراکش اور اسرائیل نے 10 دسمبر 2020 کو معاہدے پر دستخط کیے تھے۔ اس معاہدے میں مراکش نے اسرائیل کو تسلیم کیا، جس کے بدلے میں امریکا نے مراکش کی جانب سے "مغربی صحارا" پر مراکش کے ملکیتی دعوے کو تسلیم کرنے کا اعلان کیا تھا۔

ڈونلڈ ٹرمپ انتظامیہ نے ان معاہدوں کو اپنی "مشرق وسطیٰ پالیسی" کے حوالے سے بڑی کامیابی قرار دیا تھا۔ مذکورہ مسلم ممالک کے اسرائیل کے ساتھ الگ الگ طور پر معاہدے ہونے کی وجہ ہر مسلم ملک کے اسرائیل کے

ساتھ تعلقات کی شرائط اور مفادات مختلف تھے۔ مثال کے طور پر مراکش کو مغربی صحارا پر امریکی حمایت چاہیے تھی، جب کہ سوڈان معاشی پابندیوں سے نجات چاہتا تھا۔ بحرین اور متحدہ عرب امارات کا مقصد اقتصادی و سفارتی تعلق اور سلامتی کے شعبے میں باہم تعاون کا قیام تھا۔

اس بات میں تو کوئی شک نہیں کہ اس معاہدے کے پیچھے اصل قوت اسرائیل، امریکہ (خصوصاً ڈونلڈ ٹرمپ انتظامیہ) اور صہیونی لابی ہے۔ اسے ڈونلڈ ٹرمپ کے داماد جیرڈ کُشنر نے تیار کیا ہے۔ جو ایک صہیونی یہودی اور اسرائیل کے انتہا پسند حلقے میں شامل ہے۔ اس معاہدے کی روح یہ ہے کہ مسلم ممالک، اسرائیل کو ایک قانونی ریاست کے طور پر قبول کریں، اس کے ساتھ اقتصادی، عسکری اور تکنیکی تعاون کریں، اور یہ کام فلسطین کے مسئلے کو پس پشت ڈال کر صہیونی ایجنڈے کے مطابق ہو۔ جو بھی ملک اسرائیل کو تسلیم کرتا ہے، وہ براہ راست ابراہیمی معاہدے کے دائرے میں داخل ہو جاتا ہے۔ پاکستان پر بھی امریکہ، اسرائیل اور بعض عرب ممالک کی طرف سے دباؤ ڈالا جاتا ہے کہ وہ اسرائیل سے تعلقات قائم کرے، اور اس نئے عالمی اتحاد کا حصہ بن جائے۔

شاید اب تک بیشتر مسلم ممالک اسرائیل کو تسلیم کر چکے ہوتے، مگر سات اکتوبر ۲۰۲۴ء حماس کے حملوں نے اس پیش رفت کو وقتی طور پر روک دیا۔ اب جبکہ غزہ کو پوری طور طرح ملیا میٹ کر دیا گیا اور بظاہر حماس کی مزاحمت کمزور پڑتی نظر آ رہی ہے تو دوبارہ اس معاہدے کی بازگشت سنائی دینے لگی ہے۔

طرفہ تماشا یہ ہے کہ اسرائیل اور امریکا جن کا دامن مظلوم فلسطینیوں کے خون سے تر بتر ہے؛ ابراہیمی معاہدے کو بین المذاہب ہم آہنگی اور امن و محبت کی دستاویز بنا کر پیش کر رہے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے ہم اس معاہدے کو اپنے دینی عقائد و نظریات اور دینی مفادات کی روشنی میں دیکھیں اور پرکھیں۔

ابراہیمی ایکارڈ یا ابراہیمی معاہدہ ہمارے دینی مفاہیم، اسلامی عقائد اور قرآن سنت کے بیان کردہ بنیادی نظریات کے خلاف ہے۔ قرآن واضح الفاظ میں بیان کرتا ہے کہ:

مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (سورۃ آل عمران، آیت 67)

ترجمہ: ''ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی، بلکہ وہ ایک یکسو مسلم تھے، اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔''

یہ آیت اس نظریے کو مکمل طور پر رد کرتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کسی مشترکہ مذہبی وراثت کی علامت ہیں، جس پر یہود، نصاریٰ اور مسلمان یکساں حق رکھتے ہیں۔ اسلام واضح کرتا ہے کہ حضرت

ابراہیم علیہ السلام کا دین ''اسلام'' تھا، اور وہ شرک، تحریف شدہ عقائد اور بنی اسرائیل کی قوم پرستی سے پاک تھے۔ اسی بات کو قرآن مزید زور دے کر یوں بیان کرتا ہے:

إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا ۗ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ (سورۃ آل عمران، آیت 68)

ترجمہ: ''یقیناً ابراہیم سے نسبت رکھنے والے تو وہی لوگ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی، اور یہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور وہ لوگ جو ان پر ایمان لائے، اور اللہ مومنوں کا دوست ہے۔''

حدیثِ مبارکہ کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يُقَاتِلَ الْمُسْلِمُونَ الْيَهُودَ (صحیح مسلم)

ترجمہ: قیامت اُس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک مسلمان یہودیوں سے قتال نہ کرلیں۔

یہ حدیثِ مبارکہ ثابت کرتی ہے کہ مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان مکمل اتحاد یا دائمی ''ابراہیمی بھائی چارہ'' کا کوئی اسلامی تصور نہیں۔ جو معاہدہ اسرائیل جیسے نسل پرست اور قابض ریاست کے ساتھ بھائی چارہ کا پیغام دے، وہ نہ صرف اسلامی تعلیمات کے منافی ہے بلکہ فلسطینی مظلوموں کے خون سے غداری ہے۔ اسلام کی اساس ''توحید''، ''نبوت'' اور ''آخرت'' پر ہے۔ جبکہ ابراہیمی معاہدے کا بنیادی فلسفہ سیکولر بین المذاہب ہم آہنگی ہے، جہاں اسلام، یہودیت اور عیسائیت کو مساوی طور پر ''سچائی کے ذرائع'' کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ یہ تصور خود اسلام کی بنیاد کلمہ لا إله إلا الله محمد رسول الله کی نفی کرتا ہے، اور یہ تسلیم کرتا ہے کہ ''ہر راستہ اللہ تک جاتا ہے'' جو سراسر کفر ہے۔ ابراہیمی معاہدہ سیاسی فریب اور نظریاتی انحراف ہے جو دراصل اسرائیل کو عالمِ اسلام میں جائز حیثیت دلوانے، فلسطین کے نام کو صفحہ ہستی سے مٹانے، اور اسلام کے نظریے کو ''بین المذاہب فریب'' میں لپیٹنے کی صہیونی چال ہے۔ پاکستان کے لیے اس معاہدے میں شمولیت کا مطلب ہوگا:

☆ قرآن وحدیث کی واضح تعلیمات کی نفی۔

☆ فلسطینی خون سے بے وفائی۔

☆ اسلامی وحدت کا شیرازہ بکھیرنا۔

☆ قائداعظم کے نظریے سے انحراف۔

یہ وقت ہے کہ ہم بطور قوم، صرف سیاسی نہیں، نظریاتی بصیرت سے فیصلہ کریں۔ ابراہیمی معاہدے کو مسترد کریں، اور فلسطین کی جدوجہد کا ساتھ نبھائیں۔ یہی ہماری دینی، تاریخی اور اخلاقی ذمہ داری ہے۔۔

مقالات ومضامین

توہین رسالت، انکوائری کمیشن کے قیام پر اعتراض کیوں؟

نوید مسعود ہاشمی

نوٹ: اگرچہ توہین رسالت کیسوں پر کمیشن کے قیام کا فیصلہ واپس لیا جا چکا ہے، لیکن اس حوالے سے وقتاً فوقتاً ہونے والی سازشوں سے آگاہ رہنا ضروری ہے تاکہ معلوم ہو کہ اغیار توہین رسالت کے حوالے سے قوانین کو ختم کرانے کے لیے کس حد تک چلے جاتے ہیں۔

اسلام آباد ہائیکورٹ کے جسٹس سردار اعجاز اسحاق خان کی جانب سے سوشل میڈیا پر مقدس ہستیوں بالخصوص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین پر مبنی بدترین گستاخانہ مواد کی تشہیر میں ملوث مجرمان کے خلاف درج مقدمات کے متعلق انکوائری کمیشن بنانے کے حوالے سے متنازع فیصلے کے بعد بعض حلقوں کی جانب سے یہ سوال کیا جا رہا ہے کہ ''انکوائری کمیشن کی مخالفت کیوں کی جا رہی ہے؟''۔

یہ سوال اہم ہے اور اس کا جواب سمجھنا ضروری ہے۔ سب سے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ سوشل میڈیا پر گستاخانہ مواد کی تشہیر میں ملوث گستاخوں کو گرفتار کرنے کا سلسلہ جولائی 2021ء سے اسلام آباد ہائیکورٹ کے اس وقت کے جج جسٹس عامر فاروق کے حکم پر شروع ہوا۔ بعد ازاں لاہور ہائیکورٹ کے جج جسٹس چوہدری عبدالعزیز صاحب نے بھی ایک پٹیشن پر ایف آئی اے کو بڑی سختی کے ساتھ اس بات کا پابند کیا کہ گستاخانہ مواد کی تشہیر میں ملوث کوئی ایک مجرم بھی قانون کی گرفت سے نہیں بچنا چاہیے۔

اسلام آباد ہائیکورٹ اور لاہور ہائیکورٹ کے مذکورہ ججز صاحبان کے مسلسل احکامات و معاملے کی نگرانی کی وجہ سے ایف آئی اے کے سائبر کرائم ونگ نے سوشل میڈیا پر گستاخانہ مواد کی تشہیر میں ملوث گستاخوں کے خلاف مؤثر کارروائی کرتے ہوئے جولائی 2021ء سے لے کر اب تک ملک بھر میں 117 مقدمات درج کر کے 448 گستاخوں کو گرفتار کیا۔ اب یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ مذکورہ گستاخوں کے خلاف 2021ء سے مقدمات ٹرائل کورٹس میں زیر سماعت ہیں۔ جن میں سے چالیس گستاخوں کے خلاف مقدمات کی سماعت مکمل ہونے پر 38 گستاخوں کو سزائے موت جبکہ دو گستاخوں کو عمر قید کی سزائیں سنائی جا چکی ہیں۔ اب تک کوئی ایک گستاخ بھی خود کو عدالت کے سامنے بے گناہ ثابت نہیں کر سکا۔

مذکورہ تمام زیر حراست گستاخوں کے خلاف ریکارڈ پر موجود شواہد اس قدر سنگین اور مضبوط ہیں کہ سندھ میں زیر

حراست گستاخوں کے علاوہ ملک بھر میں زیر حراست گستاخوں میں سے کسی ایک گستاخ کی درخواست ضمانت بھی ٹرائل کورٹ سے لے کر سپریم کورٹ تک منظور نہیں کی گئی۔ جبکہ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ ہماری عدالتوں کے ججز کی اکثریت سیکولر اور لبرل ہے۔ اس نوعیت کے مقدمات میں ان کی ہر ممکن کوشش ہوتی ہے کہ ذرہ برابر بھی کوئی ایسا نکتہ ملے کہ جس کا فائدہ اٹھا کر گستاخ کو ریلیف دیا جا سکے۔ مگر ان مقدمات میں سیکولر اور لبرل ججز بھی گستاخوں کو کوئی ریلیف اس لئے نہ دے سکے کہ ان کے خلاف مضبوط شواہد ریکارڈ پر موجود ہیں۔ (سندھ ہائیکورٹ سے بعض گستاخوں کی ضمانت منظور ہوئی۔ سندھ ہائیکورٹ کے دو ججز صاحبان نے گستاخوں کی درخواست ضمانت آئین و قانون کی روشنی میں نہیں بلکہ اپنے ''نظریہ'' کی روشنی میں منظور کیں)۔

اس نکتے کو سمجھنے کے بعد اب اصل معاملے کی طرف آتے ہیں۔ جب مذکورہ گستاخوں کو کوئی ریلیف عدالتوں سے نہیں مل رہا تھا تو پھر مذکورہ مقدمات کے خلاف رائے عامہ ہموار کرنے اور مذکورہ مقدمات کو متنازع بنانے کے لئے اسپیشل برانچ پولیس پنجاب سے ایک سورس انفارمیشن رپورٹ (مخبر کی رپورٹ کہ جس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی) مرتب کروائی گئی۔ مذکورہ خفیہ رپورٹ اسپیشل برانچ راولپنڈی کی جانب سے مرتب کر کے لاہور بھیجی گئی۔ (اس حوالے سے یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مذکورہ رپورٹ مرتب ہونے کے وقت اسپیشل برانچ راولپنڈی کے ایک اعلیٰ عہدے پر قادیانی افسر براجمان تھی۔) اسپیشل برانچ کی مذکورہ سورس انفارمیشن رپورٹ خفیہ تھی۔ اسے 29 جولائی 2024ء کو امریکہ میں موجود مفرور صحافی احمد نورانی اپنی نیوز ویب سائٹ فیکٹ فوکس کے ذریعے منظر عام پر لایا۔ مذکورہ رپورٹ میں یہ الزام عائد کیا گیا تھا کہ ''ایک گینگ لڑکیوں کے ذریعے نوجوانوں کو ٹریپ کر کے توہین مذہب و توہین رسالت کے مقدمات میں پھنسا رہا ہے۔ جس کا مقصد مذکورہ ملزمان کی فیملیز کو بلیک میل کر کے ان سے مالی فوائد حاصل کرنا ہے۔'' اسپیشل برانچ کی مذکورہ رپورٹ منظر عام پر آنے کے بعد مذکورہ زیر حراست گستاخوں کی فیملیز نے اسپیشل برانچ کی مذکورہ رپورٹ کے مطابق بیانیہ بنانا شروع کر دیا اور پہلے وفاقی حکومت کو درخواست دی کہ وہ اسپیشل برانچ کی مذکورہ رپورٹ کی تحقیقات کے لئے انکوائری کمیشن تشکیل دے اور پھر اسی دوران مذکورہ گستاخوں کی فیملیز کی جانب سے اسلام آباد ہائیکورٹ میں بھی انکوائری کمیشن کے قیام کے لئے رٹ پٹیشن دائر کر دی گی۔ جس کی متنازع ترین سماعتیں جسٹس سردار اعجاز اسحاق خان نے کرنے کے بعد 15 جولائی 2025ء کو وفاقی حکومت کو حکم دیا ہے کہ ''وہ ایک ماہ کے اندر انکوائری کمیشن تشکیل دے کہ جو مذکورہ گستاخوں کے خلاف درج تمام مقدمات کی انکوائری کرے''۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جس وقت مذکورہ رٹ پٹیشن اسلام آباد ہائیکورٹ میں زیر سماعت تھی، اسی دوران قومی

کمیشن برائے انسانی حقوق نے بھی اپنی ایک رپورٹ جاری کی کہ جس میں اسپیشل برانچ کی مذکورہ سورس انفارمیشن رپورٹ کی توثیق کی گئی۔قومی کمیشن برائے انسانی حقوق اس سے قبل قادیانیوں کے حق میں بھی ایک متنازع رپورٹ جاری کرچکا ہے۔

توہین مذہب وتوہین رسالت کے مذکورہ مقدمات کے متعلق قومی کمیشن برائے انسانی حقوق کی مذکورہ رپورٹ کو لاہور ہائیکورٹ خلاف قانون اوریکطرفہ ہونے کی بنیاد پر معطل کرچکی ہے۔اس موقع پر یہ بات بھی انتہائی قابل ذکر ہے کہ مذکورہ گستاخوں کوجھوٹے مقدمات میں پھنسانے کا جو بیانیہ 29 جولائی 2024ءکواسپیشل برانچ کی مذکورہ رپورٹ منظر عام پرآنے کے بعد مذکورہ گستاخوں اوران کے سہولت کاروں کی جانب سے پیش کیا جارہا ہے،اس موقف (یعنی ٹریپ کرکے مقدمات میں پھنسانے وغیرہ) کوکسی ایک گستاخ نے بھی جولائی 2021ء سے لےکر 29 جولائی 2024ءتک نہ توتفتیش کے دوران ایف آئی اے کے سامنے اختیار کیااور نہ ہی ٹرائل کورٹس کے سامنے اورنہ ہی درخواست ضمانتیں دائرکرتے وقت۔اگران الزامات میں کوئی صداقت ہوتی تو مذکورہ گستاخوں میں سےکسی ایک گستاخ نے بھی ایسا کوئی الزام اسپیشل برانچ کی مذکورہ رپورٹ منظر عام پرآنے سے پہلے کسی بھی قانونی فورم پر کیوں عائدنہیں کیا؟۔

اب مذکورہ سوال کی طرف آتے ہیں کہ:''اگرمذکورہ گستاخوں کے خلاف درج مقدمات سچے ہیں تو پھرانکوائری کمیشن کی مخالفت کیوں کی جارہی ہے؟''۔یہاں اصل سوال تو یہ ہے کہ:''مذکورہ گستاخوں کے رشتہ داروں اورسہولت کاروں کی جانب سے انکوائری کمیشن کے قیام کا مطالبہ کیوں کیا جارہا ہے؟''۔مذکورہ دونوں سوالات کے جوابات دیکھتے ہیں۔

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ اسپیشل برانچ کی جس رپورٹ کی بنیاد پرانکوائری کمیشن کے قیام کا مطالبہ کیا جارہا ہے،اس رپورٹ کے متعلق نہ صرف یہ کہ کابینہ ڈویژن اوروفاقی وزارت داخلہ نے اسلام آباد ہائیکورٹ میں یہ رپورٹ جمع کروائی ہے کہ''وفاقی حکومت کی تحقیقات کے مطابق مذکورہ رپورٹ بے بنیاد ہےاورمذکورہ تمام زیر حراست ملزمان کے خلاف مقدمات درست ہیں،،،ان مقدمات کے حق میں ناقابلِ تردید شواہد بھی موجود ہیں''،بلکہ خوداسپیشل برانچ پولیس پنجاب کے ڈی آئی جی نے بھی لاہور ہائیکورٹ کے روبروپیش ہوکر یہ بیان دیا ہے کہ''اسپیشل برانچ کی مذکورہ رپورٹ غیرمصدقہ ہے،،،اس رپورٹ کے حق میں کوئی ایک ثبوت بھی اسپیشل برانچ کے پاس موجودنہیں ہے''۔

ڈی آئی جی اسپیشل برانچ کے اس موقف کولاہور ہائیکورٹ نے اپنے دوحکم نامہ میں بھی نقل کیا ہے۔جب وفاقی حکومت بھی اسلام آباد ہائیکورٹ میں جمع کروائی گئی اپنی رپورٹس میں اسپیشل برانچ کی مذکورہ رپورٹ کو بے بنیادقرار دیتے ہوئے انکوائری کمیشن کے قیام کی پٹیشن کی مخالفت کرچکی ہےتو پھرانکوائری کمیشن کے قیام کا کیا کوئی جواز باقی

رہتا ہے؟ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اسلام آباد ہائیکورٹ میں مذکورہ کیس کی سماعت کے دوران بھی گستاخوں کی فیملی اسپیشل برانچ کی مذکورہ رپورٹ کے حق میں کوئی ایک ثبوت بھی نہیں پیش کر سکے۔یہی وجہ ہے کہ مذکورہ انکوائری کمیشن کے قیام کی مخالفت کی جارہی ہے کہ جب ریکارڈ پر ایسے کوئی شواہد موجود ہی نہیں ہیں کہ جن کی بنیاد پر انکوائری کمیشن کے قیام کا کوئی جواز ہوتو پھر صرف گستاخوں کی فیملیز اور سہولت کاروں کی جانب سے حقائق کے برعکس عائد کئے جانے والے محض بے بنیادالزامات کی بنیاد پر انکوائری کمیشن قائم کرکے مذکورہ گستاخوں کے خلاف مدعیان مقدمہ کو کیوں انکوائری کے مراحل سے گزارا جائے؟۔

اب آتے ہیں دوسرے سوال کی طرف کی مذکورہ گستاخوں کے رشتہ داروں اور سہولت کاروں کی جانب سے انکوائری کمیشن کے قیام کا کیوں مطالبہ کیا جارہا ہے؟ اگر ان کے پاس اتنے شواہد موجود ہیں کہ وہ انکوائری کمیشن کے روبرو اپنے الزامات کو درست ثابت کرسکتے ہیں تو پھر وہ انکوائری کمیشن کے روبرو وہ اس لاحاصل جدوجہد کی بجائے ان شواہد کو ٹرائل کورٹس کے روبرو پیش کرکے مذکورہ گستاخوں کو مقدمات سے بری کروانے کی کوشش کیوں نہیں کررہے؟اس سوال کے جواب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ انکوائری کمیشن کی رپورٹ کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوتی۔انکوائری کمیشن اگر تمام گستاخوں کو گناہ گارقرار دے دے تو نہ تو اس سے کوئی فرق پڑے گا اور نہ ہی اگر وہ تمام گستاخوں کو بے گناہ قرار دے دے،اس سے کوئی فرق پڑے گا۔بالآخر مذکورہ گستاخوں کے گناہ گار یا بے گناہ ہونے کا فیصلہ ٹرائل کورٹس نے ہی شواہد کی روشنی میں کرنا ہے، نہ کہ کسی کمیشن کی رپورٹ کی روشنی میں۔

گستاخوں کی فیملیز اور سہولت کار اس حقیقت کو جانتے ہوئے بھی انکوائری کمیشن کے قیام کا مطالبہ صرف اس لئے کررہے ہیں کہ ان کا اصل مقصد یہ ہے کہ جب انکوائری کمیشن بن جائے گا تو کمیشن کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ مقدمات کے متعلق انویسٹیگیشن اور ٹرائل کورٹ کا مکمل ریکارڈ طلب کرسکتا ہے۔انکوائری کمیشن جب مقدمات کا ریکارڈ طلب کرلے گا تو پھر مذکورہ گستاخوں کے خلاف مقدمات کے ٹرائل رک جائیں گے۔مقدمات کے ٹرائل رکنے کی صورت میں مذکورہ گستاخ ضمانت پر رہائی کے قانونی طور پر مستحق بن جائیں گے۔پھر ان کی ضمانت پر رہائی کے نتیجے میں پاکستان سے فرار ہونے کی راہ ہموار ہوجائے گی۔

کمیشن کے قیام کے مطالبے کے پس پردہ دیگر مقاصد یہ بھی ہیں کہ جتنا عرصہ کمیشن اپنی کارروائی جاری رکھے گا،اس عرصے کے دوران گستاخوں کے سہولت کار ملکی و عالمی سطح پر توہین مذہب وتوہین رسالت کے قوانین کے خلاف پراپیگنڈہ بھی کریں گے اور اس کے نتیجے میں توہین رسالت کی دفعہ میں ترامیم کرنے کے لئے دباؤ بڑھایا جائے گا۔خلاصہ یہ ہے کہ انکوائری کمیشن کے قیام کا مطالبہ بدنیتی پر مبنی ہے۔(باقی صفحہ نمبر:۳۰)

لوگ غداری پر کیوں آمادہ ہوجاتے ہیں؟

محمد افغان

تاریخ کے نشیب وفراز میں کئی عظیم سلطنتیں وجود میں آئیں اور ڈوب گئیں۔ان کی تقدیر میں داخلی انتشار اور غداری نے اہم کردار ادا کیا ہے۔اوراق سیاست کی ایسی سحر انگیز داستانوں سے بھرے پڑے ہیں جہاں عروج وزوال کی منازل طے کرتی یہ عظیم سلطنتیں داخلی انتشار اور غداری کے زخموں سے گزر کر اپنی بقا یا فنا یا نئے جنم کی تقدیر رقم کرتی ہیں۔شمال مغربی افریقا کے اطلس پہاڑوں سے جنوبی ایشیا کے عظیم ہمالیہ تک چار اہم پارچے ......سلطنتِ اندلس، ابتدائی عثمانی سلطنت، ٹیپو سلطان کی حکومتِ میسور اور عظیم مغلیہ سلطنت ......ہمیں زندگی کے اَنمول اسباق سکھاتے ہیں کہ کیسے داخلی اعتماد واتحاد ہی کسی قوم کی بقا کی ضمانت بن سکتے ہیں۔

اندلس کا زوال: سال 711 عیسوی میں طارق بن زیاد کے عظیم المرتبت لشکروں نے اسپین کی سرزمین پر قدم رکھا۔قرطبی اموی خلافت نے ابتدا میں ایک متحدہ سیاسی ڈھانچہ قائم کیا، جس نے قرونِ وسطیٰ کے یورپ میں علمی و ثقافتی انقلاب برپا کیا۔البتہ جیسے ہی مرکز کمزور پڑا، محلّی حکمرانوں نے خودمختاری کا راستہ اپنایا اور چھ چھ ریاستوں میں تقسیم ہو گئے۔ ہر ملک کے امیر نے نہ صرف اپنے پڑوسی طائفوں کے خلاف سازشیں کیں، بلکہ بعض نے عیسائی حکمرانوں سے ساز باز کر کے اپنے گھریلو اتحادیوں کو کمزور کیا۔غرناطہ کے امیر نے اپنی حکومت اور اپنی زندگی کی ضمانت کے لیے مسیحی بادشاہ کو بھاری محصول ادا کیا، لیکن خود کو محفوظ نہ رکھ سکا۔ یہ داخلی نفاق بالآخر 2 جنوری 1492 عیسوی کو اسلامی اقتدار کے آخری گڑھ غرناطہ کو بھی سمندر بُرد کرنے کا باعث بنا۔

ارطغرل اور سعدالدین کوپیک: ایشیا کی اناطولیہ کی سرزمین پر سلجوق دور کا زوال جاری تھا۔شمالی عراق سے آئے سلجوق ترکوں نے عظیم حکمرانی کی بنیاد رکھی تھی، لیکن 12 ویں صدی کے وسط میں سلجوق دربار میں سعدالدین کوپیک جیسا وزیر اعظم اقتدار کے نشے میں مبتلا ہوگیا۔کوپیک نے خراج کی ترسیل کے بہانے مضبوط قبائلی روایات کو پامال کیا، قبائلی سرداروں کے مابین بداعتمادی پھیلا دی اور خود ارطغرل کی فتوحات کو بھی خود کے حکمران بننے کے غدارانہ خواب کے لیے خطرہ سمجھا۔اگرچہ اس سازشی ماحول نے ایک طرف سلجوقی مرکزی حکومت کو کمزور کر دیا تھا، مگر دوسری طرف اسی ماحول نے ارطغرل کو اپنی خانہ بدوش فوج کو منظم کرنے کا موقع بھی فراہم کیا۔نتیجہ یہ ہوا کہ یہ داخلی انتشار کا ہی تھا کہ عثمانیوں کو اب اپنا راستہ خود تلاش کرنا پڑا۔ چناں چہ سال 1299 عیسوی میں عثمان دوم نے آزاد مملکت تشکیل

دی، جس نے چھ صدیوں تک ایشیا، افریقا اور یورپ کے سیکڑوں شہر فتح کیے اور ایک نئے عالمی دور کی بنیاد رکھی۔ جو بالآخر آخری عثمانی سلطان عبدالحمید ثانی (1876ء تا 1909ء) کے دور میں تباہ اور ٹکڑے ٹکڑے ہوئی تو وہ بھی داخلی غداروں کی وجہ سے..... عثمانی سلطنت کے زوال میں بھی داخلی غداری نے اہم کردار ادا کیا تھا۔ خاص طور پر سلطان عبدالحمید ثانی کے دور میں جب سلطنت مختلف داخلی اور خارجی چیلنجز سے نبرد آزما تھی۔ اس دور میں سلطان کی 'خود مختار حکمرانی' سے نالاں 'نوجوان ترک' تحریک کے رہنما اور دربار کے کچھ اعلیٰ عہدے دار یورپی طاقتوں کے ساتھ ساز باز کرنے لگے۔ ان غدارانہ سرگرمیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان عبدالحمید کو اپنے سیاسی اختیارات ترک کرنا پڑے اور انہیں تخت سے ہٹا دیا گیا۔ سال 1908 عیسوی کے انتشار میں عثمانی سلطنت کی مرکزی حیثیت ختم ہوگئی، جس کے بعد سلطنت کا سیاسی شیرازہ بکھرنے لگا۔ سلطنت کے اندرونی استحکام کو کمزور کرنے والی یہ داخلی غداری عالمی جنگِ عظیم اول کے دوران مزید آشکارا ہوگئی۔ سلطنت عثمانیہ کے زوال کے بعد سال 1924 عیسوی میں خلافت کا خاتمہ ہو گیا اور یورپی طاقتوں نے سلطنت کے علاقوں کو نوآبادیات میں تقسیم کر دیا۔ خاص طور پر فلسطین میں برطانوی نوآبادیاتی حکمرانی کے تحت صہیونی منصوبوں کی راہ ہموار ہوئی۔ یہ وہی زمین تھی، جس کے تحفظ کے لیے سلطان عبدالحمید نے صہیونی تحریک کی لاکھوں پاؤنڈز کی پیشکش مسترد کر دی تھی۔ تاہم داخلی غداروں کی سازشوں کے سبب خلافت ختم ہوئی اور فلسطین پر مظالم اور عزت و ناموس کی بربادی کا وہ دُکھ سہنا پڑا، جس کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ یہ حقیقت ان غداروں کی تاریخی ذمے داری کو واضح کرتی ہے، جنھوں نے نوآبادیاتی طاقتوں کے ساتھ ساز باز کر کے امتِ مسلمہ کی مرکزیت کو توڑا تھا۔

ٹیپو سلطان سے میر صادق کی غداری: سال 1782 عیسوی میں حیدر علی کے بعد تختِ میسور پر بیٹھنے والے ٹیپو سلطان نے جدید توپ خانے اور خفیہ مخبری کا جال بچھایا۔ وہ اپنی فوج کو جدید ساز و سامان سے آراستہ کرتا اور برطانوی سازشوں کو چکما دینے کی ہر ممکن کوشش کرتا۔ مگر 1799 عیسوی میں چوتھی 'انگریزی-میسوری جنگ' کے دوران میر صادق نے معرکہ کے خفیہ خاکے اور فوج کی نقل و حرکت کے حالات انگریزوں کے حوالے کر دیے۔ نتیجتاً برصغیر میں انگریزوں کے قدم جم گئے اور 4 مئی 1799 عیسوی کو سری رنگا پٹنہ کے محاصرے میں ٹیپو سلطان شہید ہو گئے۔ اس غداری نے نہ صرف ایک بہادر سلطنت کا اجتماعی خاتمہ کیا، بلکہ برصغیر کو صدیوں کی غلامی کے اندھیرے میں دھکیل دیا۔

مغلیہ سلطنت میں انتشار: سال 1526 عیسوی میں بابر نے مغلیہ سلطنت کی بنیاد رکھی، مگر عروج کے بعد اندرونی اختلافات نے کمزوری پیدا کر دی۔ شاہجہاں کے بعد اس کے بیٹوں کے درمیان تخت یابی کی لڑائی نے دربار کو خانہ جنگی کی لپیٹ میں لے لیا۔ پھر اَورنگزیب کے دور میں خزانے خالی ہوئے، مذہبی اختلافات بڑھے اور انتظامی نظام کمزور

اور سست ہو گیا۔ اس دوران بعض صوبائی حکمرانوں نے اپنے مفادات کے لیے برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی سے خفیہ معاہدے کیے۔ ان اقدامات نے سلطنت کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا اور انگریزوں کے لیے برصغیر میں حکمرانی کا دروازہ کھول دیا۔

کوئی غدار کیوں یا کب بنتا ہے؟: آخر سوال یہ ہے کہ لوگ غداری پر کیوں آمادہ ہو جاتے ہیں؟ بات یوں ہے کہ غداری کرنے والے حکمران یا اعلیٰ عہدے دار چاہے عام انسان ہوں یا میر صادق اور سعدالدین کوپیک جیسے اہم افراد؛ چند بنیادی محرکات کی وجہ سے اپنے محسنوں یا حکومتوں کے خلاف سازش اور غداری کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔

نمبر 1......ذاتی مفاد و لالچ: اکثر درباری یا فوجی عہدے دار اپنے عہدے کے ذریعے بھاری مال و دولت اور زمینیں حاصل کرنے کے خواہاں ہوتے ہیں۔ میر صادق کو اگرچہ میسور کے وزیرِ خزانہ کا منصب ملا تھا، مگر برطانوی سرپرستی میں اس کا لالچ مزید بڑھ گیا کہ وہ 'غیر ملکی نئے حکمران' کے تحت اپنی جاگیر اور عہدے کو برقرار رکھنا زیادہ مفید سمجھنے لگ گیا تھا۔ بعض اوقات حکومتی زوال کا خوف ہوتا ہے۔ کوئی عہدے دار سوچتا ہے کہ اگر حکومت گر گئی تو اُس کی زندگی و املاک خطرے میں پڑ جائیں گی۔ چناں چہ وہ طاقت ور مخالف قوت کے ساتھ امیدیں باندھ لیتا ہے۔

نمبر 2......سیاسی عناد یا انتقام: سعدالدین کوپیک نے ارطغرل اور اس کے قبائل کو کمزور کرنے کے لیے بنا رسیا انتقامی کارروائی کی، وہ اپنی سیاسی لیڈرشپ کو محفوظ رکھنے کے لیے روایتی قبائلی قوتوں کا خاتمہ چاہتا تھا۔ سعدالدین کوپیک نے ارطغرل اور اس کے قبائل کی طاقت کم کرنے کے لیے انتقامی کارروائیاں کیں۔ کیوں کہ وہ اپنا سیاسی اقتدار برقرار رکھنا چاہتا تھا۔ کوپیک جیسے سدابہار سیاسی طاقت کے خواہش مند کے خیال میں ارطغرل کا عروج کوپیک کے لیے سیاسی موت کے مترادف تھا۔ مغل حکمران اورنگزیب کے دور میں بھی بعض اعلیٰ مجاہدین یا نواب اپنی 'مذہبی' ترجیحات کے نام پر دربار سے الگ ہو کر منحرف ہو گئے۔ اورنگزیب کے دور میں جب انہوں نے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے فقہی نظریات کو مرکزی اہمیت دیتے ہوئے سنی مذہب کو سرِ فہرست رکھا تو دربار سے مسلک شیعہ، اہل سنت کے دیگر مکاتب فکر اور صوفیائی گروہوں سے تعلق رکھنے والے اعلیٰ حکام اور نواب محسوس کرنے لگے کہ ان کے عقائد و رسومات کو دربار میں قبولیت نہیں مل رہی۔ چناں چہ انہوں نے دربار سے الگ ہو کر اپنی صوبائی طاقتیں مضبوط کیں یا اورنگزیب مخالف اتحادوں میں شمولیت اختیار کر لی۔ یوں مذہبی ترجیحات کے نام پر پیدا ہونے والی مسلکی دیواروں نے مغل دربار کے اندرونی اتحاد کو سخت نقصان پہنچایا اور سلطنت کی انتظامی ہم آہنگی کو کمزور کر دیا۔

نمبر 3......فکری یا نظریاتی اختلاف: کبھی کبھی عہدے دار یہ بھی سمجھتے ہیں کہ موجودہ نظام غلط ہے اور وہ خود 'انقلاب' یا 'اصلاح' لانا چاہتے ہیں۔ مگر بسا اوقات یہ اصلاحی جذبہ عصبیت یا غیظ و غصے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ جس کی نکاسی

کے لیے ایسے افراد میں سے اگر کوئی فرد پختہ نظریاتی فکر اور اپنے ملک وقوم سے اخلاص کے درست مفہوم سے ناآشنا ہوتو وہ غیروں کے ہاتھوں کا کھلونا بن کر شعوری یا غیر شعوری طور پر غداری کے مرتکب ہوجاتے ہیں۔

نمبر 4......بیرونی دباؤ اور دہشت: جب کوئی طاقت ور بیرونی عسکری یا سیاسی قوت اندرونی دربار ی کو دھمکاتی ہے تو بعض مرتبہ وہ دربار سے منسلک فرد یا عہدے دار گھبرا کر یا جان کے خوف سے غداری کر بیٹھتا ہے۔خاص طور پر اگر اس کے اپنے خاندان یا قبیلے کی سلامتی کو خطرہ ہو اور وہ عزت کی موت اور ذلت کی زندگی کے معنوں سے نابلد ہوتو ایسے فرد کے لیے عین یقینی ہوتا ہے کہ وہ اپنی ہی قوم کے خلاف استعمال ہوجائے۔

نمبر 5......سازشی ماحول: بعض مرتبہ جب کبھی سلطنت کے اندرونی حالات اتنے کشیدہ ہوں کہ دربار میں طاقت کے حصول کے لیے ہر کسی کو اپنے مفادات کا خیال ستائے یا محاذِ جنگ پر فوجی کمانڈرز اپنے وجود کی حفاظت میں مصروف ہوں تو ہر فرد قومی یا مذہبی وفاداری کے اصولوں سے پہلے اپنی ذاتی پوزیشن یعنی' عہدے دارانہ مقام' کو خطرے سے بچانا اولین ترجیح سمجھتا ہے۔ایسی بے یقینی کی فضا میں لوگ حکومتی یا فوجی ڈھانچے کی بقا سے زیادہ اس حکومتی منصب کی حفاظت کے لیے لڑتے ہیں، جہاں سے انہیں ظاہری اسباب کے درجے میں اختیار، مرتبہ اور رزق ملتا ہو۔خلاصہ یہ کہ ہر غداری کی بنیاد انسانی فطرت کے وہ پہلو ہیں، جو شدید لالچ، خوف، انتقام یا سیاسی خودغرضی سے پیدا ہوتے ہیں۔ جب کسی فرد کے لیے' ذاتی مفاد' یا' فرد کی بقا' مذہب، جماعت یا ریاستی وفاداری سے بڑھ کر اہم ہو جاتی ہے تو اُس کی نظر میں غداری کوئی بہیمانہ فعل نہیں رہتا...... بلکہ' نظریہ ضرورت' محسوس ہوتا ہے۔ ہمیشہ اسی' نظریہ ضرورت' نے تاریخی طور پر مسلم حکومتوں کے اندرونی ڈھانچے کو ہلا کر رکھا ہے۔

عبرت آموز نتائج: جب سلطنتوں میں اندرونی انتشار اور غداری ہوتی ہے تو وہ اندر سے کمزور ہوجاتی ہیں۔مشکل حالات کے بعد صرف مضبوط رہنما اور اجتماعی اتحاد ہی نئی کامیابیوں کے دروازے کھول سکتے ہیں۔مثلاً اندلس میں طوائف الملوکی نے وہاں مسلم حکمرانی کی جڑیں ختم کردیں۔ جب اندلس سے مسلمانوں کا سورج غروب ہوا تو ساتھ ہی عیسائیت کی سیاہ رات چھا گئی۔سلجوقیوں کے اندرونی جھگڑوں نے سلطنت عثمانیہ کو جنم دیا۔ٹیپو سلطان کے خلاف میر صادق کی غداری نے نئی سرحدی تقسیم کے دروازے کھول دیے۔اور مغلیہ سلطنت کے زوال نے انگریزوں کو برصغیر میں مضبوط قدم جمانے کا موقع دیا، جن کے نشانات آج بھی جغرافیائی، تہذیبی اور ثقافتی تقسیم کی صورت موجود ہیں، جو یہاں کے باسیوں اور حکومتوں کے درمیان جنگ وجدل کا باعث بنے ہوئے ہیں۔تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ جب تک ایمان واتحاد اور انصاف کا سایہ موجود رہے، تب تک مسلمانوں کو زوال دینا ناممکن ہے۔

شخصیت

مولانا سید محمود میاں کا سانحہ ارتحال

جناب اشفاق اللہ جان ڈاگیوال

۲؍جولائی کو ملک کے نامور عالم دین شیخ الحدیث مولانا سید محمود میاں کے انتقال کی خبر نے غمزدہ کر دیا۔ مولانا ایک طویل عرصے سے علیل تھے، بدھ کو اپنی بیماری سے لڑتے لڑتے انھوں نے اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کر دی۔ اگلے روز جمعرات کی صبح ان کی میت کو نماز جنازہ کی ادائیگی کے لیے جامعہ مدنیہ جدید رائیونڈ لاہور لایا گیا، جہاں ملک بھر سے علماء ومشائخ، ائمہ وخطباء، ان کے شاگرد، متعلقین، مریدین اور ان سے محبت کرنے والوں کا جم غفیر تھا۔

جامعہ مدنیہ میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی اتنی شدید گرمی کے باوجود اتنی بڑی تعداد میں لوگوں کی مولانا محمود میاں کے جنازے میں شرکت ان کے حق پر ہونے کی بڑی دلیل ہے۔ اس بڑے جنازے میں جمعیت علمائے اسلام کے اکابرین وکارکنان کے علاوہ شریک ہزاروں لوگوں کو مولانا سید محمود میاں کی سیاست سے کوئی سروکار نہ تھا وہ صرف ایک درویش عالم کو اس دنیا سے رخصت کرنے آئے تھے، اس موقع پر جتنے علمائے کرام واکابرین آرہے تھے وہ مولانا کے صاحبزادے مولانا عکاشہ میاں سے تعزیت کررہے تھے ان کے سر پر دست شفقت رکھ رہے تھے۔ مولانا عکاشہ میاں میرے لیے چھوٹے بھائیوں جیسے ہیں۔ ان کے والد محترم کے دست شفقت سے محرومی نے مجھے بھی بہت افسردہ کیا اور میں اپنے چھوٹے بھائی کے غم میں شریک ہوں، مگر یہ اللہ کا دستور اور ہمارا اس پر ایمان ہے کہ ہر ذی روح نے ایک دن موت کا مزہ چکھنا ہے۔ اللہ رب العزت حضرت محمود میاں رحمہ اللہ کے درجات بلند فرمائے اور مولانا عکاشہ میاں سمیت تمام پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین ثمہ آمین یارب العالمین۔

مولانا سید محمود میاںؒ نہ صرف پنجاب بھر میں دینی، نظریاتی، سیاسی، خانقاہی اور تحریکی خدمات کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے تھے بلکہ وہ جمعیۃ علماء اسلام کے صفِ اوّل کے مخلص، بے لوث اور مدبر قائدین میں شمار ہوتے تھے۔ مولانا سید محمود میاں جمعیت علماء اسلام کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن کے قریبی اور بااعتماد ساتھیوں میں شامل تھے۔ ان کے انتقال پر نہ صرف مولانا فضل الرحمٰن بلکہ ان کے خاندان کے تمام افراد غمزدہ اور افسردہ ہیں مولانا ان کی رہائش گاہ پر آئے ان کے بیٹے مولانا عکاشہ میاں، اور جامعہ کے اساتذہ سے تعزیت کی اور مولانا محمود میاں کی دینی، سیاسی اور فلاحی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا۔

مولانا محمود میاںؒ جیسی ہمہ جہت شخصیت کی زندگی کے تین پہلو قابل ذکر ہیں، ایک ان کا نسبی تعارف ہے، دوسرا ان

کا علمی تعارف ہے اور تیسرا ان کا سیاسی تعارف ہے۔ جہاں تک نسب کی بات ہے تو مولانا سید محمود میاں حسینی سید تھے، ان کے والد شیخ الحدیث مولانا سید حامد میاںؒ جامعہ مدنیہ لاہور کے بانی و مہتمم تھے، ان کے دادا مولانا سید محمد میاںؒ برصغیر کے نامور علماء میں شامل ہوتے تھے، آپ مدرسہ شاہی مرادآباد بھارت میں مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ کے استاد بھی تھے۔ ان کا سلسلہ نسب 41ویں پشت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جاملتا ہے۔

مولانا سید محمود میاں کے والد مولانا سید حامد میاںؒ کے ساتھ میرے باباجان شیخ المفسرین و محدثین حضرت مولانا حمداللہ جان ڈاگئی باباجیؒ کا قلبی و روحانی تعلق تھا، وہ بہت محبت سے ان کا ذکر خیر اور روحانیت میں ان کے مقام و مرتبے کا ذکر کرتے تھے۔ اسی نسبت سے میرا بھی مولانا محمود میاںؒ سے قلبی تعلق تھا۔ پچھلے سال جب مولانا محمود میاں اپنے جانشین بیٹے مولانا عکاشہ میاں، جمعیت علمائے اسلام پنجاب کے جنرل سیکریٹری مولانا حافظ نصیر احرار اور جمعیت علمائے اسلام کے صوبائی سیکریٹری اطلاعات کے ساتھ لاہور میرے غریب خانے پر تشریف لائے اور جس محبت سے مجھے اپنے گھر آنے کی دعوت دی وہ محبت بھری دھیمی آواز اب بھی میرے کانوں میں سنائی دے رہی ہے۔

1984 میں مولانا سید حامد میاںؒ نے رائیونڈ روڈ پر زمین مسجد، مدرسہ اور خانقاہ کے لیے وقف کردی تھی، اس وقت یہ جنگل بیابان تھا۔ وہاں مسجد حامدیہ، مدرسہ جامعہ مدنیہ جدید اور خانقاہ حامدیہ بنی۔ مولانا سید حامد میاںؒ کے انتقال کے بعد ان کے جانشین کے طور پر مولانا سید محمود میاں کو مسجد، مدرسے اور خانقاہ کے سرپرست کی ذمے داری سونپی گئی۔ 2000 میں مولانا ارشد مدنی، مولانا محمود مدنی، مولانا خواجہ خان محمد، مولانا فضل الرحمٰن اور پاک و ہند کے بڑے بڑے اکابرین نے اپنے اپنے دست مبارک سے جامعہ مدنیہ جدید کی بنیاد رکھی اور مولانا سید محمود میاں نے اپنے والد کے مشن کو جاری رکھنے کا باقاعدہ آغاز کیا۔ مولانا سید محمود میاں کی 2 شادیاں تھیں ان کے نکاح میں ایک بیوی نامور عالم دین مولانا عزیرگل کا کاخیل کی پوتی اور سید عدنان کا کاخیل کی بہن تھیں۔

مولانا کو زمانہ طالب علمی سے ہی اللہ کے دین سے بے پناہ محبت و رغبت تھی، اس زمانے میں بھی 9 سے 10 گھنٹے مطالعہ کیا کرتے تھے۔ ایک بار اپنے والد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور استفسار کیا کہ میرے مطالعہ کا وقت کم ہے تو اسے بڑھادوں۔ فارغ التحصیل ہوئے تو درس و تدریس سے وابستہ ہوئے جامعہ مدنیہ قدیم کریم پارک کے نائب مہتمم بنے۔ اصول کے بڑے پابند تھے، اگر کلاس سات بجے شروع ہوتی تو ہمیشہ پانچ منٹ پہلے آتے، اگر کوئی مہمان ملنے آیا ہے، خواہ وہ مہمان کتنا ہے بڑا کیوں نہ ہو اگر اس دوران کوئی طالب علم کسی غرض سے ان کے پاس آجاتا تو مہمان سے زیادہ طالب علم کو توجہ دیتے اس کی بات کو غور سے سنتے اور اس کا مسئلہ حل کرتے کیونکہ وہ علوم نبوت کا طالب ہے۔

جامعہ مدینہ جدید میں طلبا کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہوتا گیا لیکن یہاں دورہ حدیث کا سبق نہیں ہوتا تھا۔ ایک

بارولی کامل حضرت مولانا مفتی حسن نے شیخ عرب وعجم مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کوخواب میں دیکھا، وہ مسجد حامدیہ میں موجود تھے، انھوں نے مفتی صاحب کوحکم دیا کہ محمود میاں کو بلا کر لاؤ، مسجد کے ساتھ کمرے میں سید محمود میاں ہوتے تھے، مفتی صاحب انھیں بلا کر لائے۔ جب مولانا سید محمود میاں مسجد میں تشریف لائے تو مولانا سید حسین احمد مدنی نے ان کا ہاتھ پکڑ کر بخاری شریف کی مسند پر بٹھا دیا اور حکم دیا کہ آج سے حدیث آپ پڑھائیں گے۔ یوں جامعہ مدنیہ جدید میں 2006 سے دورہ حدیث پڑھایا جارہا ہے۔

مولانا نے اپنی زندگی کو جامعہ اور خانقاہ کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ ان کے شاگردوں اور مریدین کی تعداد ہزاروں میں ہے، ہر سال رمضان کے آخری دس دن مجلس ہوتی تھی جس کی نگرانی خود فرماتے تھے۔ ان کے مریدین کی بڑی تعداد رمضان کے آخری دن خانقاہ میں گزارتی تھی۔ ہر اتوار کو مسجد حامدیہ میں درس حدیث دیا کرتے تھے۔ مولانا محمود میاں اپنے والد مولانا حامد میاں سے بیعت تھے، انھی کے خلیفہ مجاز تھے اور ان کے والد مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے بیعت تھے اور انھی کے خلیفہ مجاز تھے۔ مولانا سید محمود میاں سیاسی مزاج نہیں رکھتے تھے لیکن ان کے خانوادے کا اوڑھنا بچھونا جمعیت علماء اسلام کے ساتھ ہی رہا۔ جامعہ مدنیہ قدیم جمعیت کا دفتر سمجھا جاتا تھا، مرکزی مجلس عاملہ وشوریٰ کا اجلاس جب بھی لاہور ہوتا تو اسی جامعہ میں ہوتا تھا۔

مولانا کے والد سید حامد میاںؒ جمعیت علماء اسلام کے تاحیات امیر رہے، اس وقت جنرل سیکریٹری مولانا فضل الرحمٰن ہوا کرتے تھے۔ 2022 میں مولانا فضل الرحمٰن کے اسرار پر مولانا محمود میاں نے جمعیت علماء اسلام پنجاب کے امیر کی ذمے داری قبول کی، ان کی قیادت اور ان کے متحرک سیاسی ساتھیوں حافظ محمد نصیر احرار صاحب اور مولانا غضنفر صاحب کے کردار سے جمعیت پنجاب میں جتنی فعال نظر آئی وہ اس سے پہلے کسی دور میں نہیں تھی۔ مولانا محمود میاںؒ شبان ختم نبوت کے سرپرست رہے اور ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ ختم نبوت کا مشن میری نجات کا ذریعہ بنے گا، انشاءاللہ۔

یہ درویش عالم دین اللہ کے حضور پیش ہو گیا ہے اور آج جامعہ مدنیہ جدید کے در ودیوار سوگوار ہیں۔

رب العالمین اپنے حبیب رحمت العالمین کے صدقے مولانا سید محمود میاں کی کامل مغفرت فرمائے، انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے اور تمام پسماندگان کو صبر جمیل نصیب فرمائے۔ آمین۔

مطالعے کی میز سے

''مطالعے کی میز سے'' ہلکے پھلکے مختصر مضامین؛ اور اقتباسات کا سلسلہ ہے، جس میں کوشش ہوگی کہ قدیم رسائل وجرائد کی فائلوں میں دفن خزینوں سے اکابر علماء ومشائخ کے تفسیری، حدیثی علمی نکات اور تاریخی واصلاحی نوادر پیش کیے جائیں۔ امید ہے کہ قارئین ماہنامہ ''وفاق المدارس'' کو یہ سلسلہ پسند آئے گا۔

وفاق المدارس کی تنظیم کو مضبوط و مستحکم بنانا وقت کا تقاضا ہے:

۱)وفاق المدارس العربیہ کی تنظیم کو زیادہ سے زیادہ مضبوط، مستحکم اور مؤثر بنانا وقت کا اہم ترین تقاضا ہے۔ اہل حق کا کوئی مدرسہ اس تنظیم سے الگ نہیں رہنا چاہیے۔ کیونکہ ''ید اللہ علی الجماعة'' فرمان نبوی ہے۔

۲) جب تک ہم اخلاص و دیانت اور مسلک اہل حق سے مکمل وابستگی کے ساتھ اپنے کام میں مشغول رہیں گے، حمایت خداوندی ہماری پاسبان ونگہبان رہے گی۔ دینی مدارس کو کسی بیرونی خطرے سے ہرگز نہیں گھبرانا چاہیے۔ البتہ جو چیز ہمارے لیے موجبِ خطرہ ہے وہ یہ ہے کہ خدانخواستہ ہمارے اخلاص وللّٰہیت میں فرق، ہمارے پائے استقامت میں لغزش آجائے تو ہم حق تعالیٰ کی حفاظت ونگہبانی سے محروم ہوجائیں گے۔ نعوذ باللہ من ذالک؟!۔

۳) دینی مدارس کسی طبقہ کے حریف نہیں بلکہ اہل اسلام کے لیے منبع خیر وبرکت اور ان کے لیے مرشد ومربی ہیں۔ ان کی حیثیت اسی وقت تک رہ سکتی ہے جب کہ وہ ہر قسم کے سود وزیاں سے قطع نظر کرتے ہوئے دینی علوم کا تحفظ کریں۔ ان کو نہ دنیا کی کوئی ناپائیدار منفعت ان کے راستے سے ہٹانے میں کامیاب ہو نہ تخویف وتہدید کی کوئی طاقت۔

۴) جہاں دینی مدارس میں باہمی یگانگت اور ربط وضبط ضروری ہے، وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ دینی مدارس کو ایک مضبوط ومربوط نظام کے تحت چلایا جائے۔ مدارس میں اگر تعلیمی، انتظامی یا تربیتی خامیاں پائی جاتی ہوں تو ان کی اصلاح کی جائے اور اس کے لیے مخلصانہ مشورے دیے جائیں۔

۵) تعلیم کے علاوہ دعوت وتبلیغ، امت اسلامیہ کی رہنمائی، زائغین ومنحرفین کی اصلاح اور جدید فتنوں کا مقابلہ بھی علماء امت کی عظیم ترین ذمہ داری ہے۔ الحمدللہ! دینی مدارس کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جسے اہل حق نے مضبوطی کے ساتھ نہ سنبھال رکھا ہو۔ ان تمام امور پر مسلسل غور وفکر کرتے ہوئے باہمی مشوروں سے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا نہایت ضروری ہے۔ تاکہ دینی مساعی کے دائرہ کو زیادہ سے زیادہ وسیع ومؤثر بنایا جاسکے، اور اللہ تعالیٰ کی

بارگاہ میں دنیا وآخرت کی مسؤلیت سے عہدہ برآ ہوسکیں۔

(امام اہل سنت حضرت مولانا مفتی احمد الرحمن رحمۃ اللہ علیہ۔ بحوالہ: وفاق المدارس العربیہ پاکستان: ساٹھ سالہ تاریخ)

حضرت خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ کا ذوقِ مطالعہ:

محمد حامد سراج مرحوم رقم طراز ہیں:

''حضرت باباجیؒ مطالعہ بہت تیز فرماتے تھے۔ ملک بھر سے مذہبی ہفت روزے، رسالے اور ماہنامے آپ کی خدمت میں آتے تھے۔ آپ ایک محفل میں ایک رسالے کا مطالعہ فرما لیتے تھے، اگر کچھ باقی رہ جاتا تو دوسری محفل میں اس کو مکمل فرما لیتے۔ بعض اوقات تو گھنٹوں لگا تار مطالعہ فرماتے، خادم کو وقت کے بارے میں بتانا پڑتا۔ آپ بظاہر مطالعے میں مصروف ہوتے اور مرید آپ کی محفل میں خاموش اپنے قلب کی طرف متوجہ رہتے، کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ حاضرین مجلس کو کتاب یا رسالے سے کوئی واقعہ سنانا شروع کر دیتے تھے اور پڑھتے پڑھتے خود بھی رو پڑتے اور حاضرین مجلس کو بھی رُلا دیتے، اکثر آپ خاموش متوجہ الی اللہ رہتے۔ عام طور پر اخبار کا مطالعہ فرماتے، ملکی وغیر ملکی مسلمانوں کے حالات پر نظر رکھتے اور دردِ دل سے دعا فرماتے تھے۔ (بحوالہ ''ہمارے باباجی مولانا خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ، محمد حامد سراج)

اتباعِ سنت کا اہتمام:

حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمہ اللہ اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں:

''یقین جانو کہ سعادتِ ابدی انسان کے لیے خداوند جل وعلا کی محبت کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس دولت وخلعت کا محل حضرت سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کا دربار شاہانہ ہے، یہ دولت وخلعت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی موافقت پر موقوف ہے۔ دیکھو! قرآن شریف کس طرح گہربار:

فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ میری پیروی کرو اللہ تم کو دوست بنالے گا۔ یعنی اپنے شاہنشہ کی فرماں برداری کا طوق گلے میں ڈالو اور حلقہء اطاعت کانوں میں پہن لو، حکم سرکاری بجالاؤ، نواہی سے دور رہو، اور سراپا قصرِ ایمان کو طاعت کے گلدستوں میں سجاڈالو۔ سنتوں سے واقفیت تامہ حاصل کرو اور اس پر ایسا عمل کرو جیسا عمل کرنے کا حق ہے۔ پھر دیکھ لو گے کہ وہ عہد نامۂ دوست جو لکھا گیا ہے اور خطبہ عقد محبت جو پڑھایا گیا ہے۔ یہ سند اتباع حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم یقینی نافذ ہوکر رہے گا۔ جب یہ فرمان شاہی اور یہ وثیقہ سندی تمہارے پاس رہے گا تو یہ یہاں بھی مزہ لاؤ گے اور عیش کرو گے اور پھر جب جس وقت حضرت محبوب حقیقی کے دربار میں حاضری ہوگی تو

وہاں بھی فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ آپ کا مقدر ہوگی۔ (مکتوبات صدی۔ **حضرت شرف الدین احمد یحییٰ منیری** رحمہ اللہ)

طلبہ کو پرکھنے کی کسوٹی:

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وہ طالب علم جس کے تحصیل علم کی غرض حصولِ دنیا اور باعث حب دنیا ہوگا اسکے علم سے کچھ نفع نہ ہوگا، اور حب دنیا کا امتحان سلف سے منقول ہے۔ اسلاف کے دور میں اساتذہ کرام طلبہ کی اس انداز میں خبر گیری رکھتے تھے کہ طلبہ میں کون طالب علم ایسا ہے جو امراء اور دولت مندلوگوں کی طرف راغب ہے اور کون نہیں ہے؟!

جو طالب علم امراء کی طرف راغب ہوتا تھا اس کو اپنے حلقۂ درس میں آنے سے روک دیتے تھے، کیوں کہ امراء اور دولت مندوں کے پاس سوائے دنیا کے کیا ہے؟ امراء سے مانوس ہوگا، دولت طلبی اس میں سرایت کررہی ہوگی وہ درحقیقت طالب دنیا ہی ہوگا۔ چنانچہ (مشاہدہ ہے کہ) امراء کے دربار میں جو علماء ہوتے ہیں وہ ان امراء کی ہاں میں ہاں ملایا کرتے ہیں، خواہ وہ حق ہو یا نہ ہو۔ البتہ جو علماء کرام ''عالمِ حق گو'' کی صفت سے مزین ہو اور ان امراء سے مغلوب نہ ہوتا ہو وہ اگر امراء کے یہاں جائے اور حق بات کہے وہ (اُس عالم کا) مجاہدہ ہے۔ (آداب انسانیت، ص:۲۹)

صحابہ کی عائلی زندگی کا مطالعہ کیجیے:

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

عرصہ سے یہ غلطی ہورہی ہے کہ پورے عالم اسلام میں اور خاص طور پر ہمارے ملک میں صحابہ کرام، اولیاء کرام، علماء ربانیین اور مصلحین ومجددین کے حالات میں صرف اس حصے کو پڑھتے ہیں جس کا تعلق عقیدے سے ہے، عبادات سے ہے، ہم ان کی شادی بیاہ کی تقریبات کا مطالعہ نہیں کرتے کہ انہوں نے کس طرح انجام دیں۔ ہم ان کی عائلی زندگی کا، خانگی زندگی کا مطالعہ نہیں کرتے کہ وہ گھر میں کس طرح رہتے تھے؟ وہ گھر کے مسائل کو کس طرح حل کرتے تھے؟! (خطبات مفکر اسلام، ص:۱۷۵)

دربانوں کی جھڑکیاں:

مولانا مفتی محمد مظہر بقا رحمہ اللہ مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع نور اللہ مرقدہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ایک روز فرمایا: دیوبند کے دو حضرات جب حج سے واپس آئے تو ہم ملنے گئے۔ مزاج پرسی پر ایک صاحب حج کی

کلفتوں اور بدوؤں کی طرف سے پہنچی ہوئی تکلیفوں کا دُکھڑا سنانے لگے۔ دوسرے صاحب کے پاس پہنچے تو انہوں نے تمام تر اللہ کی رحمتوں اور نوازشوں کا ذکر کیا۔

ہم نے ان سے دریافت کیا کہ کیا آپ کو بدوؤں سے تکلیفیں نہیں پہنچیں؟

جواب دیا: جب محبوب کے دروازے پر جاتے ہیں تو دربانوں کی جھڑکیاں تو سنی پڑتی ہیں، ان کا کیا ذکر؟!

(حیات بقا۔از:مفتی محمد مظہر بقاؒ)

رازی اورغزالی پیدا کیوں نہیں ہوتے؟

سارے ہی مخیر تھے، اسی خیرخواہی کے سلسلے میں ممبئی سے یہاں مظاہرعلوم وقف سہارنپور پہنچے تھے، بات تقریباً 1998 کے آس پاس کی ہے۔نامور فقیہ و بزرگ، فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسین کا دور تھا۔مہمان خانہ میں حضرت مہمانوں سے ملنے کے لیے تشریف لے گئے۔ دورانِ گفتگو مہمانوں میں سے ایک صاحب نے پوچھ لیا کہ: کیا وجہ ہے کہ اس زمانے میں رازی وغزالی پیدا نہیں ہوتے؟

حضرت فقیہ الاسلام نے نہایت ہی تحمل کے ساتھ فرمایا:

''رازی اورغزالی جیسی ہستیوں نے زکوٰۃ کھا کر تعلیم حاصل نہیں کی ہے۔زکوٰۃ مال کا میل ہوتا ہے، اور میل کھا کر رازی وغزالی نہیں بنا کرتے۔آپ زکوٰۃ دیگر غرباء کو دیجیے، طلبہ کو امداد کی رقم دیجیے۔امداد کی رقم سے ذہن بھی اچھا ہوگا، دماغ اور دیگر اعضا پر اس کا اچھا اثر پڑے گا، صالح خون پیدا ہوگا۔جب ہر چیز میں شفافیت اور صلاح غالب ہوگی، تو یہی طلبہ اِن شاء اللہ رازی اور غزالی بنیں گے۔آپ لوگ بے شک دولت مند ہیں، کاروباری ہیں، خوب خرچ بھی کرتے ہیں، مگر آپ خود بتائیں: کیا ہماری کمائی سو فیصد پاکیزہ اور حرام ومشکوک سے پاک ہے؟ جواب یقیناً نفی میں ہوگا۔تو خود بتائیں، ایسی ملاوٹ اور مشکوک رقم سے کیسے افراد پیدا ہوں گے؟ کیا ایسا مال کھلا کر ہم رازی اورغزالی پیدا ہونے کی توقع اور امید رکھ سکتے ہیں؟ کیا کوڑے کے ڈھیر پر گلاب اُگ سکتا ہے؟ بڑوں کے بڑوں نے اچھی نسلوں کی تعمیر کے لیے بڑی محنت کی ہے، اچھا کھلایا، حلال کھلایا، مشکوک سے دور رکھا، اور راتوں میں اٹھ اٹھ کر رب کے آگے سربسجود ہوئے، ہر وقت فکرمند رہے۔تب کہیں جا کر گل و لالہ پیدا ہوئے، تب جا کر نانوتوی اور تھانوی پیدا ہوئے۔ہم صبح سے شام تک مدرسہ میں دیکھتے ہیں کہ صرف زکوٰۃ ہی آتی ہے، امداد کی رقم نظر ہی نہیں آتی۔ یعنی ہم زکوٰۃ کھلا کر امداد کا اثر دیکھنا چاہتے ہیں!۔(مولانا ناصرالدین مظاہری)

44 سال بعد طالبعلم کی کلاس میں حاضری!!

شام کے علمی اور دینی مرکز جامعہ دمشق میں ایک غیر معمولی اور جذبات سے بھرپور لمحہ اس وقت پیش آیا جب کلیہ شریعہ کا ایک طالب علم 44 سال بعد شعبے کے ڈین ڈاکٹر عماد الدین الرشید سے کلاس میں بیٹھنے کی اجازت مانگنے لگا اور ڈاکٹر صاحب نے اسے خوش آمدید کہا، جو تقریباً نصف صدی بعد اپنی نامکمل تعلیم کا سلسلہ جوڑنے کے لیے واپس آیا تھا۔ یہ شخصیت ہیں محمد علی النجار، جو 1981 میں شام چھوڑنے پر مجبور ہو گئے تھے اور اُس وقت کلیہ شریعہ میں چوتھے سال کے طالب علم تھے۔

جب وقت تھم گیا تھا: 1970 کی دہائی کے اختتام اور 1980 کی دہائی کے آغاز میں شام ایک شدید سیاسی و سماجی بحران سے گزر رہا تھا، جسے تاریخ میں "أحداث الثمانينيات" یعنی آٹھویں دہائی کے واقعات کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان پرآشوب حالات میں محمد علی النجار بھی ان ہزاروں افراد میں شامل تھے جنہیں اپنا وطن، گھر اور تعلیم سب کچھ چھوڑنا پڑا تھا۔ اگر یہ ملک نہ چھوڑتے تو صیدنایا جیل کے راستے سے کسی گمنام قبرستان میں دفن ہوجاتے۔ اس وقت وہ ایک متحرک، سنجیدہ اور باقاعدہ طالب علم کے طور پر کلیہ شریعہ میں زیر تعلیم تھے۔

ناقابل یقین وابستگی: دلچسپ اور قابلِ تحسین بات یہ ہے کہ محمد علی النجار نے اپنی تعلیمی شناخت کو کبھی فراموش نہیں کیا۔ آج، جب وہ بیرون ملک سے وطن پہنچے تو اگلے روز تعلیم کا ٹوٹا سلسلہ دوبارہ شروع کرنے کے لیے جامعہ واپس آئے تو ان کے پاس نہ صرف اپنا اصل یونیورسٹی شناختی کارڈ موجود تھا جو 1977 میں جاری ہوا تھا، بلکہ 1981 میں حاصل کردہ آخری تعلیمی ریکارڈ یعنی مارک شیٹ بھی محفوظ تھی۔ یہ اس بات کا زندہ ثبوت ہے کہ وقت، ہجرت، غربت یا اجنبیت کچھ بھی ان کے دل میں علم اور شریعت سے جڑے جذبے کو مٹا نہ سکا۔ نئے آغاز کی تمنا محمد علی النجار نے باقاعدہ طور پر جامعہ دمشق میں دوبارہ اپنی تعلیم کا آغاز کرنے کے لیے درخواست جمع کروائی ہے۔ اگرچہ ان کی عمر اب تعلیم کی عمومی حدود سے تجاوز کر چکی ہے، لیکن ان کی علمی پیاس، دینی وابستگی اور عزم آج بھی ویسے ہی زندہ ہے جیسے وہ 1981 میں تھا۔

یہ واقعہ نہ صرف انفرادی عزم و استقامت کی ایک شاندار مثال ہے، بلکہ تعلیمی اداروں کے لیے بھی ایک بیدار کن علامت ہے۔ علم کی پیاس کبھی ختم نہیں ہوتی اور ایک مخلص طالب علم کے لیے عمر، وقت یا حالات کبھی رکاوٹ نہیں بن سکتے۔ جامعہ دمشق کی جانب سے اس خوش آمدید نے تعلیمی اداروں کی وسعتِ قلب اور ماضی کے طالب علموں کے لیے دروازے کھلے رکھنے کے رویے کو اجاگر کیا ہے۔ **(از: مولانا ضیاء الرحمٰن چترالی)**

تبصرہ کتب

خلاصۃ نور الیقین

تالیف: الشیخ عمر عبدالجبار۔ (تین حصے کامل)۔ طباعت: عمدہ۔ ملنے کا پتا: مکتبہ زمزم، شاہ زیب سینٹر نزد مقدس مسجد اردو بازار کراچی۔ رابطہ نمبر 03098204773

بچوں کو سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آگاہی دینا ہماری بنیادی ذمہ داری ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ بچوں کو سیرت النبی سے آگاہی کے لیے مختلف اسالیب میں کتابیں لکھی گئی ہیں، عربی زبان میں اس حوالے سے خاصا کام ہوا ہے۔ ''نور الیقین'' ایسی ہی کتاب ہے جس میں نہایت عمدہ اسلوب کے ساتھ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ''نور الیقین فی سیرۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم'' ہمارے مدارس میں داخلِ نصاب ہے۔ زیر تبصرہ کتابچے اسی کتاب کا تین حصوں میں عمدہ خلاصہ ہے، جسے بچوں کی صلاحیت کے مطابق مرتب کیا گیا ہے۔ جو مدارس کے ابتدائی درجات خصوصاً عربی معہدات میں پڑھایا جاسکتا ہے۔ مکتبہ زمزم نے اسے اعلیٰ طباعت کے ساتھ شائع کیا ہے۔

القراءۃ الواضحۃ

تالیف: مولانا وحید الزمان کیرانویؒ۔ (کامل تین حصے) طباعت: عمدہ۔ قیمت: 475 روپے۔ ملنے کا پتا: مکتبہ زمزم نزد مقدس مسجد اردو بازار کراچی۔ رابطہ نمبر: 0309824773

حضرت مولانا وحید الزمان کیرانوی رحمہ اللہ دارالعلوم دیوبند میں عربی زبان وادب کے استاذ اور صدر شعبہ عربی تھے۔ عربی اردو لغت پر آپ کا بہت وقیع کام ہے، اور عربی زبان کے فروغ میں آپ کی نہایت شاندار خدمات ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب ''القراءۃ الواضحۃ'' آپ کی تالیف فرمودہ عام فہم انداز میں درسی کتاب ہے جسے عربی معہدات کے ابتدائی درجات میں پڑھایا جاسکتا ہے۔

تعلیم الاسلام

مولفہ: حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ۔ صفحات: ۲۲۴۔ طباعت عمدہ: قیمت: ۲۴۳ روپے۔ ملنے کا پتا: مکتبہ زمزم کراچی۔

''تعلیم الاسلام'' مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ نور اللہ مرقدہ کی بچوں کے لیے شہرہ آفاق تالیف ہے، یہ کتاب نافعیت تامہ کی حامل ہے اور اسے قبولیت عامہ حاصل ہے۔

مکتبہ زمزم نے اسے جدید طباعت کے ساتھ خوب صورت انداز میں شائع کیا ہے، اس طباعت میں کتاب کے آخر میں چہل حدیث از مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ، اور چالیس مسنون دعائیں از: مولانا عاشق الٰہی بلند شہری رحمہ اللہ، بھی شامل کی گئی ہیں۔ دورنگا طباعت ہے، اور بچوں کے لیے نہایت مفید کاوش ہے۔

ذکر شیخ یوسفؒ

تالیف: جناب خلیل احمد قاضی۔ (دو جلد) طباعت: عمدہ۔ ملنے کا پتا: مکتبہ زمزم اردو بازار کراچی۔

''ذکر شیخ یوسف'' شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف متالا رحمہ اللہ کی سوانح کا مجموعہ ہے۔ حضرت مولانا محمد یوسف متالا رحمہ اللہ حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کے تربیت یافتہ اور خلیفہ اجل تھے۔ حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ نے ہی آپ کو برطانیہ میں بھیجا جہاں آپ نے ''بری'' میں دارالعلوم قائم کیا، جو اس کفرستان میں صحیح معنی میں مینارہ نور ثابت ہوا، مولانا محمد یوسف متالا رحمہ اللہ مجموعہ کمالات تھے۔ آپ نے اس دارالعلوم میں بیٹھ کر جو دینی خدمات انجام دیں وہ قابل رشک اور آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب میں مولانا محمد یوسف متالا رحمہ اللہ کے نقوش حیات، آپ کے اساتذہ کرام کا تذکرہ، اسانید حدیث، آپ کی تصانیف کا تعارف، علماء کرام کے تعزیتی پیغامات و مراسلات اور مضامین کو شامل کیا گیا ہے۔ آغاز میں حضرت مولانا سید محمد ارشد مدنی مدظلہم اور مولانا سید محمد عاقل سہارنپوری رحمہ اللہ کی تقریظات شامل اشاعت ہیں۔ اہل تعلق کو اس کتاب سے ضرور استفادہ کرنا چاہیے۔

تسہیل تیسیر المنطق

ترتیب مولانا ایاز محمد۔ طباعت عمدہ: ملنے کا پتا: مکتبۃ القدس نزد جامعہ اسلامیہ بابوزئی مردان۔ رابطہ نمبر 0348-5540148

''تیسیر المنطق'' ہمارے مدارس میں داخل نصاب کتاب ہے، جو حضرت مولانا عبداللہ گنگوہی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ منطق کے موضوع پر یہ کتاب مختصر اور آسان انداز میں مرتب کی گئی ہے۔ مولانا ایاز محمد صاحب نے تیسیر کی مزید تسہیل کر دی ہے اور متن کے ساتھ توضیحی حواشی کا اضافہ کیا ہے۔ جس سے کتاب سمجھنا سمجھانا اور پڑھنا پڑھانا آسان ہو جاتا ہے۔ دینی مدارس کے طلبہ اور اساتذہ کے لیے یہ ایک اچھی کاوش ہے۔

مجلہ صفدر فتاویٰ و آراء نمبر

مدیر: مولانا احسن خدامی۔ صفحات: ۱۶۰۔ قیمت ۱۵۰ روپے ملنے کا پتا: مکان نمبر ۴ گلی نمبر ۸۲ محمود اسٹریٹ

محلہ سردار پورہ، اچھرہ، لاہور۔ رابطہ نمبر: 03124312774

مجلہ ''صفدر'' ہمارے دینی رسائل میں ایک معروف رسالہ ہے۔ غامدیت کے رد میں اس رسالے کی تحریریں تیغ بُرّاں کا کام دیتی ہے۔ زیرنظر رسالہ میں پاکستان بھر کے جید علماء وا کابرامت کی اُن آراء کا مجموعہ ہے۔ جو انہوں نے جاوید احمد غامدی یا ان کے شاگرد رشید عمار خان ناصر کے بارے میں تحریر کیں۔ انہیں یکجا کر کے شایع کیا گیا ہے۔ مجلہ صفدر کا غامدیت کے تعاقب میں اہم کردار ہے۔ شاید ہی اس فتنے کا کوئی گوشہ پردہ اخفاء میں رہ گیا ہو، وگرنہ اس رسالے میں ہر ہر پہلو سے غامدی فکر کا ناقدانہ جائزہ لیا جا چکا ہے۔ اس اعتبار سے حالیہ کاوش قابل مطالعہ ہے۔

اندھیروں سے اُجالے تک

مصنف: ڈاکٹر محمد آصف۔ صفحات: ۲۰۸۔ طباعت: عمدہ۔ ملنے کا پتا: شعبہ تبلیغ تحفظ ختم نبوت مجلس احرار اسلام وحدت روڈ مسلم ٹاؤن لاہور۔ رابطہ نمبر: 03009522878

جناب ڈاکٹر محمد آصف صاحب مجلس احرار اسلام کے شعبہ تبلیغ کے مرکزی نائب ناظم ہیں۔ شومئ قسمت کہ جوانی کے آغاز میں قادیانی ہو گئے، مگر اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہوا کہ تھوڑے عرصے میں واپسی ہوگئی۔ لیکن ان کا پہلے مسلمان ہونا پھر قادیانی اور اس کے بعد دوبارہ مسلمان ہونا بہت سے بھٹکے ہوؤں کے لیے نشان راہ بن گیا ہے۔ وہ قادیانیت کے چنگل میں پھنسے تو ان پر بہت سے راز ہائے دُرون خانہ آشکارا ہوئے۔ قادیانت کی نام نہاد علمیت طشت ازبام ہوئی۔ ڈاکٹر آصف صاحب کی اسلام کی طرف واپسی اس جذبے کے ساتھ ہوئی کہ انہوں نے طے کرلیا کہ اب دوسرے بھٹکے ہوئے بھائیوں کو واپس اسلام کی طرف لانا ہے۔ الحمدللہ اب تک بے شمار قادیانی ان کی تبلیغی کاوشوں کی بدولت مسلمان ہو چکے ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب ''اندھیروں سے اجالے تک'' ان کے اسلام کی طرف سفر کی روداد ہے جو پڑھے جانے کے لائق ہے۔ اس داستان کے ساتھ ساتھ انہوں نے قادیانیت کے تاروپود بھی بکھیرے ہیں اور قادیانی جماعت کا بھیانک چہرہ بے نقاب کیا ہے۔ ڈاکٹر محمد آصف صاحب کی یہ کتاب تحفظ ختم نبوت کے محاذ پر سرگرم کارکنان کے لیے بالعموم اور قادیانیت کے شکار افراد کے لیے نہایت عمدہ کاوش ہے۔